مکمل ناول

سہیل خان

عشق کرنا تو نبھانا ساجن

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.be

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

جناب خالد بھائی اور غزالہ بھابی ..... السلام علیکم

نیا ناول "عشق کرنا تو نبھانا ساجن" روانہ کر رہی ہوں۔ امید ہے کہ ہمیشہ کی طرح یہ بھی پسند کیا جائے گا۔ پاکیزہ آنچل گزرتے وقت کے ساتھ نکھرتا جا رہا ہے۔ جس کے لیے آپ دونوں مبارک باد کے حق دار ہیں۔ سبھی اسٹاف ممبر کو دعائیں اور بہت سی دعائیں پاکیزہ آنچل کے نام۔

سہیل خان، جدہ، (سعودی عربیہ)

سمندر کی تہوں میں پڑاؤ رکھتا ہے
وہ ایک شخص جو کاغذ کی ناؤ رکھتا ہے
سبھی شہر کے شہ زور اس کی مٹھی میں
وہ اپنے پاس ابھی کوئی داؤ رکھتا ہے
میں اس سے بات فقط اس لیے نہیں کرتا
وہ گفتگو میں بنا ہے بناؤ رکھتا ہے

اس نے ایک آخری طائرانہ نظر سے سجائے ڈرائنگ روم پر ڈالی۔ ہر چیز اپنی جگہ مکمل اور پیت تھی۔ درمیانی بڑی میز انواع واقسام کے کھانوں سے آراستہ تھی۔ برابر رکھی چھوٹی میز سجے ہوئے کبابوں چکن اور مختلف قسم کی سلاد سے سجائی گئی تھی۔ دوسری طرف کی چھوٹی میز چائے، کافی اور جوس کے لیے مخصوص تھی۔ تفیس کراکری، [illegible] اس کے تنقیدی ذہن نے سکون کا سانس لیا اور پردہ کھولے ہوئے [illegible] کا جائزہ لیا۔

باہر کا موسم یکا یک ہی بدلا تھا۔ ہوا [illegible] خنک در آئی تھی۔ آسمان پر سیاہ بادلوں کے پرے کے پرے آنکھ مچولی کھیلتے، شرارتیں کرتے نظر آئے۔ پھر اس کھیل میں چاند ستارے بھی شامل ہو گئے۔ کیونکہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی کسی گہرے کالے بادل کی اوٹ میں جا چھپے تھے۔ تبھی موسم کی پہلی بارش کی بوند نے چپکے سے بادلوں سے سر نکالا اور آسمان پر ان سب کی تلاش میں ناکام ہو کر زمین پر چلی آئی۔

"ارے! بارش آ گئی۔" اسمی بھابی کی سبھی دوستیں ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

تبھی وہ نظر آئی تھی۔ بارش کی اسی پہلی بوند جیسی معصوم، گلاب کی اس کلی کی طرح سے شاداب اور تر و تازہ جو پہلی بار پتیوں سے منہ نکال کر ماحول کو دیکھتی ہے۔ اس نے ہندوستان میں میں اور پھر بعد میں لندن میں گذرے پچھلے آٹھ سالوں میں کسی بھی لڑکی کو ایک بار دیکھنے کے بعد دوبارہ نظر بھر کر نہیں دیکھا تھا۔ مگر اب وہ اسے لگاتار دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے لمبی مورنی سی گردن اٹھا کر آسمان کی وسعتوں کو ناپا تھا اور پھر پھولوں جیسا اپنا نازک وجود سنبھالتی ہوئی، ان رنگین چھتریوں کے نیچے آ گئی تھی جو لان میں جا بجا لگی ہوئی تھیں اور جنہیں بارش کو تیز ہوتا محسوس کر کے اسمی بھابی نے کھول دیا تھا۔

[illegible] تھوڑی دیر پہلے موسم کا دل بھی بھرا بھرا سا تھا، جیسے وہ رونا چاہ رہا ہو لیکن رو نہیں پا رہا ہو۔ مسعود کو ایسے حبس زدہ ماحول سے ہمیشہ وحشت ہوتی تھی اسی لیے وہ گھبرا کر اپنے کمرے میں جو [illegible] تھا تو اب یہ سوچ کر نکلا تھا کہ بھابی کے مہمان یقیناً آ چکے ہوں گے [illegible] انتظامات کا آخری جائزہ لے لینا چاہیے۔ اور اب اسے یہ خیال آ رہا تھا کہ موسم میں یہ تبدیلی یقیناً اس کے حسن کو دیکھ کر ہوئی ہے۔ اس کی شہد رنگ زلفیں، جو بار بار اس کے [illegible] گلابی رخساروں کو چھونے کی گستاخی کرنے آ رہی ہیں [illegible] شاید گھٹن اس پر بھی نقابی کا شوق سوار ہو گیا تھا۔

"کچھ زیادہ ہی مزاج شاعرانہ نہیں ہو گیا [illegible]" سوچتے سوچتے خود ہی ہنس پڑا۔

دل کی دنیا میں عجیب بے چینی اور بے قراری پھیل رہی تھی۔ پھر وہ سب اٹھ کر اندر آنے لگیں۔ بارش زور پکڑ چکی تھی اور اب چھتریاں اسے روکنے میں ناکام تھیں۔ اس نے ہڑبڑا کر باہر نکلنا چاہا۔ وہ اس وقت ان لوگوں کا سامنا کرنے کے موڈ میں ہرگز نہ تھا۔ صبح کی پہنی ہوئی جینس کی پینٹ اور شکن زدہ ٹی شرٹ۔ صبح سے عجیب سی کسلمندی سوار تھی یوں شیو تک نہیں بنایا تھا۔ مگر عین

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.be

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

کمرے سے باہر نکلتے ہوئے وہ پکڑا گیا۔

"آپ سب لوگ میرے برادران لو (دیور) سے ملیے۔ ویسے دیور کم اور بھائی زیادہ ہے یہ میرا۔ مسعد عمودی! جونئی کمپنی فراس کھول رہے ہیں کمپیوٹر کی، وہ انہیں کے چارج میں رہے گی۔" امسیٰ بھابی بڑے فخریہ انداز میں، مسرت سے کھلتے چہرے کے ساتھ اسے سب سے متعارف کرا رہی تھیں۔ یہ بھی شکر تھا کہ وہ اس وقت ان سب میں شامل نہیں تھی، شاید پیچھے رہ گئی تھی۔ جلدی جلدی ان سب سے اس نے پیچھا چھڑایا تھا اور کوریڈور کی طرف جا نکلا تھا۔ تبھی وہ سامنے سے آتی نظر آئی تھی۔ اپنی بے تحاشہ گلابی رنگت پر اس نے رسٹ کلر کی ٹائٹ شارٹ شرٹ اور چوڑی دار پہن رکھا تھا۔ امریلا کٹ آستینوں اور شرٹ پر سامنے کی سمت کڑھائی کی ہوئی تھی۔ ہائی ہیل میں اس کا لمبا قد اور بھی نمایاں ہو رہا تھا۔

"سنیے!" ٹھنڈے میٹھے جھرنے جیسے لہجے میں اسے پکارا گیا۔ وہ سحر زدہ سا رکا تو رکا ہی رہ گیا۔

"پلیز! میرے لیے ٹھنڈی سادہ دہی منگوا دیجیے۔ میں اسپائسی (مرچ والے) کھانے زیادہ نہیں کھا سکتی اور پیچی کا جوس بھی بھیج دیں۔" لہجے کی نرمی برقرار تھی۔

"معاف کیجیے گا پیچی کا جوس تو نہیں مل سکتا۔ اندر ایپل (سیب) پائن ایپل (انناس) وغیرہ کے جوس موجود ہیں۔ میں سادہ دہی بھجواتا ہوں۔" اس کے حسین روپ نے ہوش اڑا رکھے تھے۔ وہ اپنے حواسوں پر بمشکل قابو پاتا ہوا تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے انٹرکام پر آپا ماں سے کچن میں رابطہ قائم کیا تھا اور دہی ڈرائنگ روم میں پہنچانے کا کہہ کر ایک بار پھر بستر کی آغوش میں پناہ لی تھی۔

فراس عمودی اور مسعد عمودی اب بس دونوں بھائی ہی جلال عمودی کی نشانیاں رہ گئے تھے۔

ڈیڈی جلال عمودی نے ان دونوں کو اپنے دوست قمر رئیس سے گود لیا تھا بلکہ گود بھی کیا کیا تھا وہ دونوں پاپا کے انتقال کے بعد خود بخود ان تک پہنچ گئے تھے۔ پھر ڈیڈی نے آخری سانس تک انہیں یہ محسوس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ ان کی اولاد نہیں تھے۔ اپنا خاندانی نام، اپنی بے شمار جائیداد تک وہ ان دونوں کے نام کر گئے تھے۔ ان کی بیگم جو ان دونوں کے لیے ممی کی ہی طرح پر محبت اور مخلص تھیں، ان کا ساتھ تو بہت جلدی ہی چھوٹ گیا تھا۔ ہاں ڈیڈی نے اعلیٰ تعلیم کے لیے مسعد کو جب انگلینڈ بھیجا تھا اور ایک مضبوط خاندان میں فراس کا رشتہ طے کر دیا تو وہ اس جہان فانی سے رخصت ہوئے تھے۔ امسیٰ بھابی کا خاندان بزنس کی دنیا کا جانا مانا خاندان تھا۔ فراس بھائی کو ہر ہر قدم پر ان لوگوں کا ساتھ اور مشورہ حاصل تھا۔ امسیٰ بھابی بے حد خوبصورت، ایجوکیٹڈ اور اسمارٹ تھیں۔ زندگی کے لمحہ لمحہ سے لطف اٹھانے والی۔ فراس بھائی سے ان کی شادی صرف ایک سال پہلے ہوئی تھی۔ وہ ان کی شادی میں شریک ہونے کے لیے لندن سے کچھ دن کے لیے آیا ضرور تھا مگر تفصیلی ملاقات ان سے اب ہو رہی تھی۔ وہ بظاہر خوش مزاج اور نرم دل لگتی تھیں مگر ان کی خوش مزاجی اس دم بدمزاجی میں تبدیل ہو جاتی اور نرم رویہ سخت ترین ہو جاتا جب انہیں گھریلو فرائض کی یاد دہانی کرائی جاتی۔ فراس بھائی خاموش مزاج اور صابر سے تھے اس لیے ان سے اچھی بن رہی تھی مگر مسعد اصولوں کا پابند، ضابطوں کے دائرے میں رہنے والا، غلط بات کو برداشت نہ کرنے والا۔ آتے ہی اس کی پہلی طویل بحث بھابی سے اسی سلسلے میں ہوئی تھی جو بعد میں خاصی تلخ کلامی اختیار کرتے ہوئے اچھی خاصی جھڑپ میں تبدیل ہو گئی تھی۔

ان دنوں اسے کوئی خاص مصروفیات نہیں تھیں۔ کمپیوٹر پر پوسٹ گریجویشن کرنے کے بعد اس نے کافی عرصے کمپیوٹر پروگرامر کے طور پر بھی کام کیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ایم۔ بی۔ اے کرنے کے بعد کئی اور ایڈمنسٹریشن کی ڈگریاں لینے کے بعد جب وہ لندن سے واپس دبئی آیا تو فوری طور پر فراس بھائی کی آٹو پارٹس کی کمپنی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ بھائی کے ساتھ مل کر کئی ضروری تبدیلیاں اس نے کیں، جنہیں فراس بھائی نے کافی سراہا بھی۔ پھر اس کی نئی کمپنی بنانے کا کام شروع ہوا تو فراس بھائی نے کچھ وقت آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ پھر کمپنی کی شروعات ہو جاتی تو اسے سر اٹھانے کی مہلت نہ ملتی۔ انہیں دنوں اس کا سابقہ امسیٰ بھابی سے پڑا تھا۔ پورا گھر ملازمین کی ایک فوج کے حوالے تھا اس کے باوجود نہ

وقت پر ناشتے کی خبر تھی نہ لنچ اور ڈنر کی۔ گھر کے در و دیوار پر جمی گرد و غبار، مٹی سے اٹے بیش قیمت قالین، بدرنگ پردے، ہر دم اس کا خون کھولایا کرتے تھے۔

"ڈیڈی کے زمانے میں جو انٹیریر ڈیکوریشن (اندرونی سجاوٹ) اس کوٹھی کی ہوئی تھی وہ ابھی تک برقرار تھی۔ حمام اور کچن تک میں کوئی چیز صحیح سلامت نہ تھی۔" انہیں سب باتوں کی طرف توجہ دلانے پر امسیٰ بھابی خفا ہو گئی تھیں۔ ان کے کہنے کے مطابق گھر ایسے ہی ہوتے ہیں انہیں فائیو اسٹار ہوٹل نہیں بنایا جا سکتا۔ اگر وہ ملازموں پر کنٹرول کر کے اس قسم کا کام کرا سکتا ہے تو وہ خود ہی اس طرف توجہ دے لے۔ جلد ہی اسے اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کتنا مشکل کام ہے۔ تب وہ سخت اشتعال میں انکا چیلنج قبول کر گیا تھا۔ پھر اسے ایک نئی مصروفیات ہاتھ آ گئی تھی۔ سب سے پہلا کام اس نے نئے اور کام چور ملازمین میں کانٹ چھانٹ کا کیا تھا۔ جو کام نہ کرے اسے کھلاتے رہنا بیکاری میں اضافے کا باعث ہے۔ ہیڈ کک، چوکیدار، مالی، ڈرائیور اور تین چار اوپر کی صفائی والی ملازموں کو چھوڑ کر اس نے سب کو نکال باہر کیا تھا۔ دیواروں اور دروازوں کی نئی پالش نے پوری کوٹھی کو نئے سرے سے رونق بخش دی تھی۔ ان لوگوں کے کام کے اوقات سختی سے مقرر کرنے کے بعد اس نے اچھی طرح سے ہر ایک کو اس کے کام کی نوعیت سمجھا دی تھی۔ ان سب کے اوپر ایک منتظم اعلیٰ کے طور پر وہ آپا ماں کو شاید ہی ان کے پرانے گھر سے ڈھونڈ کر لے آیا تھا۔ ڈیڈی کے زمانے میں وہ اسی گھر میں رہتی تھیں بعد میں کچھ گھریلو مسائل کی بناء پر چلی گئی تھیں۔ اب ان کے بچوں کے سیٹ ہونے کی بناء پر مسائل غالباً سلجھ گئے تھے اسی لیے وہ اپنے شوہر کے ساتھ آنے کے لیے تیار ہو گئیں۔ وہ انتظامات میں بخوبی ماہر تھیں یوں ان کے آتے ہی پورے گھر کے معاملات سدھر گئے۔ امسیٰ بھابی نے بڑی خندہ پیشانی سے دیور کی ذمہ دار فطرت کو سراہا تھا مگر ساتھ ساتھ مسعد کی کامیابی میں آپا ماں کو بھی کافی حد تک حصہ دار قرار دے دیا تھا۔ مسعد مسکرا کر محض خاموشی اختیار کر گیا تھا۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ وہ اس سے محبت بھائیوں جیسی ہی کرتی تھیں۔ اور آج اس کوٹھی میں اتنی ساری تبدیلیوں کے بعد یہ پہلی تقریب تھی۔

اسے نجانے کتنی دیر ایسے ہی سوتے ہوئے گذری تھی۔ اس کا موبائل نجانے کب سے چیخ رہا تھا۔ دوسری طرف امسیٰ بھابی تھیں۔ "مسعد زرا باہر گیٹ تک تو آؤ۔"

"خیریت!" جلدی جلدی باہر نکلتے ہوئے اس کی نظر وال کلوک پر پڑی تھی۔ رات کے تقریباً گیارہ بجنے والے تھے گویا وہ تقریباً تین گھنٹے سے سو رہا تھا۔ فراس بھائی موجود نہیں تھے وہ ان دنوں بزنس میٹنگ کے سلسلے میں پیرس گئے تھے۔

"ارے سو گئے تھے تم! سوری میرے ذہن میں بھی

حمد شریف

رئیس رامپوری

تیری رحمت ترا کرم اللہ
ہے جو قائم مرا بھرم اللہ
تیری باتیں کروں رقم اللہ
جب رواں ہو مرا قلم اللہ
کلمۂ طیبہ زباں پہ ہو
جب کبھی نکلے میرا دم اللہ
کس و ناکس کی بندگی سے بچا
بس ترے در پہ سر ہو خم اللہ
سہل ہو جائیں تیری رحمت سے
زندگی کے تمام پیچ و خم اللہ
پھر یہ اعزاز مجھ کو مل جائے
میں ہوں اور ہو در حرم اللہ
یہ گناہوں کے اعتراف میں ہے
یہ جو ہے میری چشم نم اللہ
حامی و ناصر رئیس ہے تو
تیرا احساں ہے دم بہ دم اللہ

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.com
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

نہیں تھا کہ تم اتنی جلدی سو گئے ہو گے۔" وہ گیٹ کے پاس ہی ہوشربا حسن کی مالک لڑکی کے ساتھ کھڑی تھیں۔ "سبھی مہمان رخصت ہو گئے ہیں۔ صرف سفنہ کا ڈرائیور اسے لینے کے لیے نہیں آیا۔ تم جانتے ہو کہ ہمارا ڈرائیور بھی آج دوپہر ہی چھٹی لے کر گیا ہے۔ تو اب اتنے لیٹ نائٹ (رات گئے) میں اسے تنہا تو نہیں بھیج سکتی۔"

وہ قدرے شرمساری سے اس سے التجا کر رہی تھیں۔ جانتی تھیں کہ وہ مزاج کا تیز ہے۔ مشتعل ہو کر انکار کر گیا تو فضول میں گھر کی فضا مکدر ہو گی۔ بڑی مشکلوں سے تو اس سے تعلقات بہتر ہوئے تھے۔ وہ بڑی سہولت سے مان گیا۔ "میرا والٹ، موبائیل اور کار کی چابی لے آیئے۔ پلیز! میرے کمرے سے۔"

"بس ایک منٹ!" وہ اس کے اتنی آسانی سے مان جانے پر خوشی خوشی اندر کی سمت دوڑ گئیں۔ اس نے گہری پرسکوت نظروں سے ایک بار پھر اس کا جائزہ لیا۔ وہ قدرے فکرمند اور سراسیمہ سی نظر آ رہی تھی۔ بار بار نگاہیں سڑک پر بھٹک جاتی تھیں شاید اسے ابھی تک اپنے ڈرائیور کا انتظار تھا۔

"میں تو کہہ رہی تھی کہ رات میں رک ہی جاؤ۔ صبح چلی جانا مگر سفنہ راضی نہیں ہو رہی۔" بھابی سارا سامان اسے دیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ وہ اپنی کیمری کار نکال لایا۔ یہ کار اس نے لندن سے ہی خرید کر یہاں بھیجی تھی۔ عائشہ موبائیل پر فراس بھائی کا فون آ رہا تھا۔ بھابی جلدی جلدی سفنہ سے خدا حافظ کہتی اندر کی سمت دوڑ گئیں۔ وہ ان کے جانے کے بعد ہی کار کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھی تھی۔

"کہاں چلنا ہے؟" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے قدرے ناگواری محسوس کی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر اس نے مسعد کو ڈرائیور کی کمتری کا آدمی بنا دیا تھا۔

"نظام الدین۔" وہی دھیما دھیما نرم سا دل آویز لہجہ۔ موتیوں جیسے سمو دار دانت گلابی پتیوں جیسے لبوں سے ذرا سے نمایاں ہو کے تھے۔

"ٹھیک یہاں کے راستوں سے ابھی زیادہ واقف نہیں ہوں۔ پلیز آپ میری مدد کریں۔" تھوڑی دیر بعد مسعد کو پھر اس سے مخاطب ہونا پڑا تھا۔

وہ واقعی ان علاقوں سے انجان ہی تھا۔ نئی نئی سڑکیں، نئے نئے بے شمار راستے بن گئے تھے۔

"ایک ڈرائیور کو راستوں کی نالج نہ ہو، بڑی عجیب سی بات ہے۔" وہ شاید خود ہی بڑبڑائی تھی مگر اس نے سن لیا تھا۔ اسے واضح طور پر جھٹکا سا لگا تھا۔

"ڈرائیور۔" یعنی وہ اسے ڈرائیور سمجھ رہی تھی۔ یہ درست تھا کہ اس کا لباس اب بھی وہی شام والا تھا۔ بال بھی ویسے ہی بے ترتیب سے تھے مگر کیا اس کی شاندار مرعوب کن شخصیت کسی عمدہ لباس کی مرہون منت تھی؟

اس نے کار کو سڑک کے کنارے پر لے جاتے ہوئے روک دیا۔ دوسری ہی لمحے وہ موبائیل کے بٹن تیزی سے پش (دبانا) کر رہا تھا۔

"اسمیٰ بھابی! آپ فوراً اپنی دوست کو پہلے مجھ سے متعارف کرایئے۔ ورنہ ہم دونوں آج کی رات یہیں سڑک کے کنارے بیٹھے گذار دیں گے۔"

ادھر وہ بھابی کی ہمدردی سی ہو کر ایک دم کار کا دروازہ کھول کر باہر جانے لگی تھی۔

"اب باہر جا کر کیوں کھڑی ہو گئیں؟" وہ سخت جھلا گیا۔ "کیا اب میں تمہیں ڈرائیور کے ساتھ مرڈر (قاتل) بھی نظر آنے لگا ہوں؟"

"ان! نہیں تو!" وہ حواس باختہ سی واپس کار میں آ کر بیٹھ گئی۔

اسمیٰ بھابی سے بات کریں۔ وہ تحکمانہ انداز میں موبائیل اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

پھر وہ بھابی کی بات سنتے ہوئے، بار بار اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ کافی دیر ہاں، ہوں کرنے کے بعد اس نے موبائیل آف کیا تھا۔

"سوری! بس میں ایسی ہی احمق ہوں۔ مجھے تو تبھی سمجھ لینا چاہیے تھا آپ کا رشتہ ان کے ساتھ، جب وہ آپ کا سامان لینے کمرے میں گئی تھیں۔" وہ خاصی شرمسار نظر آنے لگی تھی۔

"چلیے خیر! یہ اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے کہ آپ

اسے یوں محسوس کرنے لگیں۔ پلیز! آپ راستہ بتایئے۔"

"وہ ہلکا پھلکا ہو کر کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

"مجھے خود ہی راستے کے بارے میں معلوم نہیں۔ میں اصل میں دہلی کی رہنے والی نہیں ہوں۔ اس نے شانوں تک آتے لیئر کٹ بالوں کو کلاچر (ایک طرح کا کلپ) کی مدد سے اٹھا کر اوپر کر لیا۔ چاند چہرے پر سے بدلیاں ہٹ گئی تھیں۔ صندلی صراحی دار گردن مزید واضح ہو گئی۔ لمبے لمبے آویزے گردن کو چومنے لگے۔ اس نے یک دم اپنی دھڑکن کو تیز ہوتا محسوس کیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ گہری سانس کھینچتا ہوا۔ ایک بار پھر اسمیٰ بھابی کو ایڈرس سمجھنے کے لیے فون ملا رہا تھا۔

☆☆☆

مجھے دیکھ کے نہ جھکا نظر نہ کواڑ کے تو بند کر
تیرے گھر میں آؤں گا کس طرح میں آدمی ہوں ہوا نہیں

"ذرا دیکھو تو مسعد! یہ میرا موبائیل ایس ایم ایس وصول تو کر رہا ہے لیکن صحیح ڈھنگ سے بھیج نہیں پا رہا۔ ایک میسج بھیجو تو ان کے جانے کا سلسلہ تب تک چلتا رہتا ہے۔ جب تک چپ کارڈ ختم نہ ہو جائے۔" اسمیٰ بھابی نے اپنا کیمرہ موبائیل اسے دیتے ہوئے کہیں جانے کے لیے بالکل تیار نظر آئیں۔

"بھیا کے ساتھ بزنس میٹنگ میں جا رہی ہیں کیا؟" وہ ان کے ہاتھ سے موبائیل لے کر اس کا جائزہ لینے لگا۔

"ہاں!" وہ سخت بور شکل بنائے ہوئے تھیں۔ "میں اپنی فرینڈز کے ساتھ کسی اور پروگرام میں جانا چاہ رہی تھی مگر تمہارے بھیا کی میٹنگس۔ مجھے بھی زبردستی شامل کر لیتے ہیں۔ تمہیں بھی تو ساتھ جانا ہے۔ تمہاری کمپیوٹر کمپنی کے کاغذات اب بالکل تیار ہیں۔ اس سلسلے میں تمہارے بھیا نے رات کو بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ بلوائی ہے۔"

"ہاں! انہوں نے مجھے انفارم کیا تھا۔" وہ موبائیل کو مسلسل بٹن دبا کر میسج کرنے میں لگا تھا۔ پھر بھابی چلی بھی گئیں تب جا کر وہ موبائیل کی سروس سے مطمئن ہوا تھا۔ ابھی موبائیل اسکرین پر سفنہ کی تصویر ابھر آئی، ساتھ میں میسج ٹون بھی بج رہی تھی۔ لکھا آ رہا تھا۔ اس ساڑی میں کیسی لگ رہی ہوں؟ لیمن کلر کی بڑی اسٹائلش سی ساڑی تھی۔ بالوں کو اوپر اٹھا کر جوڑے کی شکل دی گئی تھی جن میں کوئی پھول بھی لگائے گئے تھے یقیناً یہ میسج اسمیٰ بھابی کے لیے تھا۔

"اتنی حسین جتنی اس سے پہلے کوئی نہ لگی۔" وہ جذبوں کو بے تاب ہونے سے نہ روک سکا۔ اس کی تصویر ایک عجیب سے سحر میں جکڑ رہی تھی۔ خوشبو بن کر اطراف میں بکھر رہی تھی۔

"مجھے تمہارے اس روپ کو آمنے سامنے بیٹھ کر دیکھنا ہے۔" اس کی بے قرار انگلیاں بٹنوں پر متحرک تھیں اور میسج پاس کر رہی تھیں۔

"ارے مگر کیسے؟" جواب آیا۔ "مجھے شام چھ بجے ایک فیشن شو میں حصہ لینا ہے۔ اس کے لیے تو تیار ہوئی ہوں۔" وہ اسے اسمیٰ بھابی کا ہی جواب سمجھ رہی تھی۔

"ابھی صرف چار بجے ہیں۔ تم نظام الدین کے نزدیکی ہوٹل اوبرائے میں پہنچ جاؤ۔ وہیں ملاقات ہو گی۔ چھ بجے سے پہلے پہلے تمہیں ڈراپ کر دیا جائے گا۔" وہ انگلش میں لکھ کر تیزی سے تیار ہونے بھاگا تھا۔

چاکلیٹ براؤن کلر کا تھری پیس سوٹ نکالا تھا۔ اپنے لائیٹ براؤن بالوں کو بریڈ پٹ (Brad Pitt) (امریکن ہیرو) کے اسٹائل میں سنوارا تھا۔ لندن میں اپنے دوستوں میں وہ بریڈ پٹ سے کافی حد تک مماثلت

مہکتی کلیاں

☆ روزگار وقت کا آلہ ہے۔
☆ جو زیادہ پوچھتا ہے وہ زیادہ سیکھتا ہے۔
☆ جس بات کا علم ہو وہی بیان کرو!
☆ دوست کو محبت دو مگر راز نہ دو۔
☆ سادگی ایمان کی علامت ہے۔
☆ جو خود کو حقیر جانتا ہو، وہ ہی عظیم ہے۔
☆ آسمان اس کا نہیں ہوتا جس کے پر بڑے ہوں بلکہ اس کا ہوتا ہے جس میں قوت پرواز زیادہ ہو۔

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.be
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

کی بنا پر، اسی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ بالکل ویسا ہی سرخ و سفید رنگ، اتنا ہی اونچا لمبا قد اور ایسا ہی چست و پھرتیلا جیسے جسم۔ وہاں کی لڑکیاں دل ہتھیلی پر لیے اس کے پیچھے دیوانہ وار پھرا کرتی تھیں۔ اسے اکثر مشورہ دیا جاتا تھا کہ اگر وہ شوبزنس کی دنیا میں آجائے تو دھوم مچ جائے۔ مگر اسے اس قسم کی دھوم مچانے سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اپنے دل کو اس نے ہمیشہ نہایت سنبھال کر رکھا تھا مگر اب اتنا سنبھلا ہوا۔ اور شانت رہنے والا دل نجانے کیسے اس گلابی پری کے وجود سے جا لپٹا تھا۔

ذرا ہی دیر میں تیزی سے کار اڑاتا وہ گھر سے نکلا تھا پھر ہوٹل اوبرائے پہنچ کر ایک ٹیبل پر قبضہ کر لیا تھا جس میں بیٹھ کر داخلی دروازے پر بخوبی نظر رکھی جا سکے۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ وہ جھجکتی، متلاشی نظروں سے کسی کو ڈھونڈتی اندر داخل ہوئی تھی۔ وہ تیر کی طرح اٹھ کر اس کی سمت آیا تھا۔ جوں ہی اس کی نظر مسعد پر پڑی، اس کے گھبرائے ہوئے چہرے پر قدرے اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

"کہاں ہیں امسی؟" وہ غالباً! مسعد کو امسی کے ساتھ آیا ہوا سمجھی تھی۔

"سوری! وہ تو آ نہیں پائیں۔ عین موقع پر کچھ خاص قسم کے مہمان وارد ہو گئے تو انہوں نے مجھے یہاں آپ کے پاس بھیج دیا تاکہ آپ فکرمند نہ ہو جائیں ان کی طرف سے۔ مہمانوں کو رخصت کرتے ہی وہ یہاں سیدھی آئیں گی۔" وہ اس کے اتنے حسین سراپے کو ستائش بھری نظروں سے دیکھ کر بولا۔ ساڑی میں اس کا پھولوں جیسا سراپا اور بھی مہک اٹھا تھا۔ اپنے پورے وجود میں اس نے عجیب سی بے چینی دوڑتی محسوس کی۔

"اچھا! مگر میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتی۔ فیشن شو شروع ہونے سے تقریباً آدھا گھنٹے پہلے مجھے موجود رہنا ہے۔"

"ابھی بہت ٹائم ہے۔" وہ رسٹ واچ پر نظر ڈال کر بولا۔ "ویسے کون کرا رہا ہے یہ فیشن شو۔"

"فیشن کی مدر اور ان کے سرکل کی بہت سی خواتین۔" وہ اس کے ساتھ ساتھ آگے کی طرف چلنے لگی۔ "یہ دراصل چیرٹی شو ہے۔"

"جیتنے والے کو کیا ملنے والا ہے؟"

"مس بیوٹی کوئن کا تاج۔ فیشن وغیرہ اس قسم کے پروگرام میں حصہ لیتی رہتی ہیں میرے لیے یہ پہلا موقع ہے۔" دونوں ٹیبل کے نزدیک پہنچ کر اس کے اطراف میں بیٹھ گئے۔

"تم فیشن کے گھر ہی ٹھہری ہو نا۔ کچھ رشتے داری ہے؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"نہیں! راشد انکل ڈیڈی کے دوست ہیں۔ میں نے کچھ دن دہلی میں رہنے کی اجازت ڈیڈی سے مانگی تو انہوں نے ہوٹل کی جگہ راشد انکل کے گھر کو ترجیح دی۔ امسی فیشن کی ہی دوست ہیں۔ یہیں پر ان سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔" وہ بڑی سادگی اور معصومیت سے بتا رہی تھی۔

"پھر تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟" نجانے کیوں اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔

"ہمارا علاقہ پالم پور کہلاتا ہے۔ یہ ہماچل پردیش کی راجدھانی شملہ کا نزدیکی قصبہ ہے۔"

"میں پہلی بار یہ نام سن رہا ہوں۔ کیسا ہے یہ؟" ویٹر اس کے آرڈر کے مطابق کافی اور سینڈوچز لے آیا تھا۔

"بہت ہی پرفضا پہاڑی قصبہ ہے۔ بے حد سرسبز۔ ندیوں اور آبشاروں اور برف سے ڈھکے پہاڑوں کا دیس۔ میں بہت سے ملک گھوم چکی ہوں مگر جتنا حسین ہمارا پالم پور ہے اتنا خوبصورت کوئی علاقہ نہیں۔" اپنے شہر کے ذکر نے اس کے چہرے کو لمحہ بھر کے لیے اتنا دمکا دیا کہ وہ اس کی تابناکی کو ٹکٹکی لگا کر دیکھتا رہا۔

"مجھے یقین ہے۔ جس علاقے کی لڑکی اتنی خوبصورت ہوگی، وہ جگہ یقیناً بہشت نما ہوگی۔" وہ دلکش انداز میں کہتا ہوا اس کی سمت سینڈوچ اور کافی بڑھانے لگا۔ وہ ایک دم جھینپ سی گئی۔ "سوری! میں اس وقت کچھ بھی نہیں کھا سکتی۔" وہ کافی ٹینشن میں نظر آ رہی تھی۔

"اتنا زیادہ نروس ہونا ٹھیک نہیں۔ اس طرح کے پروگرام میں صرف انجوائے کرنے کے لیے حصہ لو۔ ہار اور جیت کا فیصلہ اللہ کے سپرد کر دو۔ وہ بڑے پرسکون انداز میں سینڈوچ کھاتے ہوئے، بدستور اس پر نظریں

جمائے کہہ رہا تھا۔ پھر ذرا ہی دیر بعد سفید اس کی گہری گہری سمندر جیسی پرسکوت نظروں سے اپنی آنکھیں چرا رہی تھی۔ نجانے کیوں اسے لگ رہا تھا جیسے وہ اسے غرق کرنے کے درپے ہوں۔ جیسے ان میں کچھ سحر انگیز سے جال ہوں جو اسے اپنی جانب کھینچتے ہوں۔

"اب چلیں! امسی اب آتی نظر نہیں آ رہیں۔ راستے میں کہیں ٹریفک کی وجہ سے دیر ہی نہ ہو جائے۔" آخر کار وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"دیر نہیں ہوگی۔ اطمینان رکھو۔ میں آدھا گھنٹے پہلے تمہیں وہاں پہنچا دوں گا۔ ویسے اگر کوئی بے ایمانی نہیں کی گئی تو آج کی مس بیوٹی کوئن تم ہی ہو گی۔ مجھے یقین ہے کہ تم سے زیادہ حسین وہاں کوئی نہیں ہوگا۔" وہ اطمینان سے کہتے ہوئے ویٹر کو بلا کر بل کی ادائیگی کرنے لگا۔

"ارے نہیں۔" وہ پوری کی پوری پنک ہو گئی۔

"آپ نے دیکھا نہیں ہے کتنی زیادہ حسین لڑکیاں اس مقابلے میں حصہ لے رہی ہیں۔"

"چلو شرط لگاتے ہیں اگر تم مس بیوٹی کوئن بن گئیں تو کل شام کو میری طرف سے سینٹرا سکیچ مول (شوپنگ سینٹر کا نام) میں پیزا کی پارٹی۔"

"اور اگر نہ بنی تو؟" اس کے لبوں پر خدشہ ابھر آیا۔

"تو تمہاری جانب سے اسی وقت اسی جگہ پر پارٹی۔" وہ مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"[illegible] ہے کہ ہم دونوں کا ملنا ضروری ہے۔" وہ بڑی شرمیلی ادا سے دھیمے دھیمے مسکرائی تھی پھر داخلی دروازے کی طرف اسکی ہمراہی میں قدم بڑھا دیے تھے۔

☆☆☆

کچھ اور رنگ لایا ہے اب لطف زندگی
نعمت یہ پیار کی حسین سوغات ہو گئی

"تم جیت گئے ہو۔" موبائیل اسکرین پر لکھی اس تحریر کو پڑھ کر بڑی جاندار سی مسکراہٹ مسعد کے لبوں پر ابھری تھی۔ وہ اور فراس کئی گھنٹوں کی لمبی بزنس میٹنگ ختم کر کے ابھی واپس لوٹے تھے۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز کے ساتھ آج وہ بھی امور پر بحث کر چکے تھے۔ مسعد کا خیال تھا کہ ابھی مہینہ بھر اور لگ جائے گا نئی کمپنی کے شروع ہونے میں۔ عمارت کی تعمیر کا کام تو خاتمے پر ہی تھا۔

رباعیات

پروفیسر مظفر حنفی

صحرا مجھے ہر گام پہ زک دیتا ہے
منزل مرے ہاتھوں سے جھٹک دیتا ہے
لیکن مرے پاؤں تھمنے لگتے ہیں جہاں
شفقت سے مری پیٹھ تھپک دیتا ہے

☆☆☆

جملوں میں مقید ہیں پریشاں الفاظ
منہ بند، سسکتے ہوئے حیراں الفاظ
افسانے گڑھے، شعر کہے، نظم لکھی
الفاظ نرے کھوکھلے، بے جاں الفاظ

☆☆☆

ہر گام پہ سو بار جھجکتی حیرت
آئینہ در آئینہ بھٹکتی حیرت
رو بہ رو اگر جھوٹ سا ملتا اس کو
سچ کو کبھی پہچان نہ سکتی حیرت

☆☆☆

ہر چند کہ امرت ہو ہزاروں کے لیے
پیادے ہی تو کٹتے ہیں سواروں کے لیے
مردار عقائد کے سنہرے پتو!
پت جھڑ بھی ضروری ہے بہاروں کے لیے

☆☆☆

احساس ہو مردار کہ تاریک ضمیر
تاویر لرزتی ہے کماں چھوڑ کے تیر
عالم کا ہر اک فعل سزا ہے اس کی
زنجیر ہے زنجیر برائے زنجیر

☆☆☆

ٹوٹے ہوئے پر چھوڑ گیا ہے راہی
جلتا ہوا گھر چھوڑ گیا ہے راہی
منزل پہ پہنچنا تھا اسے عجلت میں
رستے میں یہ سر چھوڑ گیا ہے راہی

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.be
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

صرف نیا عملہ بھرتی کرنا رہ گیا تھا۔ ان سارے تھکا دینے والے کاموں میں رات کا ایک بج گیا تھا۔ ایسے میں سفنہ شاہ کا میسج اس کے جسم میں تازگی اور تراوٹ کی نئی لہر دوڑا گیا۔

"میں جانتا تھا کہ تم ہی بیوٹی کوئن ہوگی کیونکہ جس کو مسعد عمودی پسند کرلے، وہ یقیناً بلندیوں پر پرواز کرے گا۔" وہ بغیر وقت ضائع کیے فوراً ہی جواب دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر رک کر اس نے سفنہ کے دوسرے میسج کا انتظار کیا لیکن جب موبائیل ہنوز خاموش رہا تو وہ نائٹ سوٹ اٹھا کر باتھ روم کی طرف چل دیا۔ اس نے اس بات پر زیادہ غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کہ وہ کیونکر مسعد کے موبائیل پر میسج بھیج رہی تھی جب کہ اس کے پاس تو یہ نمبر موجود ہی نہیں تھا۔ یقیناً یہ کارنامہ اسمیٰ بھابی کا ہوگا۔ وہ اس فیشن شو میں شرکت کے لیے اتنی بے تاب تھیں کہ پہلی تقریب سے واپسی پر دوسری میں شرکت کے لیے تیار کھڑی نظر آئیں۔ نتیجتاً وہ دونوں وہاں جاتے ہوئے انہیں ڈراپ کر گئے تھے۔ جہاں سے ابھی تک ان کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔ اب اگر وہاں ملاقات سفنہ سے ہوئی ہوگی تو یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہوگی کہ اسمیٰ بھابی کے موبائیل سے دیے گیے جوابات سارے کے سارے مسعد کے تھے۔ اور اب اگر وہ اس بات پر خفا ہونے کے بجائے اور اسمیٰ بھابی سے اس کی شکایت کرنے کے بجائے اسے اپنی کامیابی کی خوشخبری سنا رہی تھی تو اس کا مطلب تھا کہ وہ بھی کم و بیش انہیں کیفیات سے گذر رہی ہے جن سے پہلی بار مسعد کا واسطہ پڑا تھا۔ یہ ایک خیال ساری رات اسے دل خوش کن خوابوں کی سیر کراتا رہا۔

اگلے دن ناشتے کی میز پر اسمیٰ بھابی فراس بھائی سے کہہ رہی تھیں۔

"لڑکی کیسی لگی آپ کو؟"

"کون لڑکی؟" مسعد نے چونک کر پوچھا۔ فراس بھائی بدستور اخبار کی دنیا میں غرق تھے۔

"میں سفنہ احمد شاہ کی بات کر رہی ہوں۔ ابھی دو تین دن پہلے انشین کی گھریلو تقریب میں ملوایا تو تھا۔ اس وقت تو کافی تعریف کر رہے تھے تمہارے بھائی۔ اب دیوانی بنانے کے نظریے سے دریافت کر رہی ہوں۔ ویسے تم دونوں بھائیوں کی پسند تھی ملتی جلتی ہے؟" ان کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ تھی۔

"لڑکی واقعی بہت اچھی ہے۔ بس خاندان کے بابت تسلی بخش جواب اور مل جائے۔" فراس بھائی بڑی مشکل سے بولنے پر راضی ہوئے تھے۔

"فی الحال صرف اچھی کہیے۔ 'بہت' کا اضافہ اس کی ذات کے ساتھ کیا جانا چاہیے یا نہیں، یہ میں کچھ دن بعد بتاؤں گا۔ اور بھی آپ خاندان کے بارے میں معلومات کرائیے گا۔" مسعد بڑے اطمینان سے بریک فاسٹ کریم ڈبل روٹی پر لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"کیا آج شام کی ملاقات کے بعد یہ اضافہ ممکن ہے؟" اسمیٰ بھابی مسلسل شرارت پر آمادہ تھیں۔

"لگتا ہے احمق نے سب کچھ ہی بتا ڈالا۔" بڑے بھائی کے سامنے وہ کچھ جھینپ سا گیا۔

"احمق تو نہ کہو۔ بہت سیدھی اور انوسینٹ (معصوم) سی ہے۔ بیچاری زرا سا تمہارا نام لے کر پچھتائی۔ ہم سے شاطر دوستوں نے پھر ساری بات اگلوا کر ہی دم لیا۔ جاؤ جا کر اس سے آج کا پروگرام سیٹ کرو۔ سچ میں بہت انٹریسٹڈ ہوں تمہارا اس کے رشتہ جوڑنے میں۔"

"طے کرلوں گا۔ اتنی کیا گھبراہٹ ہے۔ ناشتہ تو کرنے دیں۔" وہ اطمینان سے فرائی انڈے کو بریڈ کے درمیان رکھ رہا تھا۔

"تم کتنی دیر میں تیار ہو سکتی ہو؟" تمام ضروری کاموں سے فارغ ہو کر اس نے سفنہ کو فون ملایا تھا۔ پہلی ہی بیل پر موبائیل آن کر دیا گیا تھا۔ ادھر وہ سفنہ کی آواز پہچانتے ہی بغیر ہیلو ہائے کے ہی شروع ہو گیا تھا۔

"زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں۔ کیوں؟" وہ متعجب نظر آئی۔

"دراصل شام میں میں ذرا بزی (مصروف) تھا تو سوچا کہ تمہاری ٹریٹ کیوں نہ ابھی دے دی جائے۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ پھر کبھی....."

"نہیں! ابھی اور کیوں؟ ابھی کیوں نہیں۔" مسعد نے اسے جملہ مکمل ہی کرنے نہیں دیا تھا۔ اس کے لہجے میں اصرار نہ ہو کر ایک اپنائیت بھری زبردستی تھی جسے اس کی بات سے انکار کر ہی نہیں سکتی۔

"اوکے! میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔" اس کا اتنی آسانی سے مان جانا مسعد کے دل میں قطار در قطار ہزار دیپ جلا گیا۔ پھر وہ تیزی سے تیار ہو کر بھابی کو مطلع کیے بغیر ہی چپکے سے نکل لیا تھا۔

دونوں تھوڑی ہی دیر سے سینٹرل اسٹیج مول میں گھومتے پھر رہے تھے۔ بلیک ٹائٹ اسکرٹ اور بلیو نیٹ کی شرٹ میں، شانوں تک لہراتے ریشم جیسے بال۔ وہ ہزاروں کی توجہ اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔ دیر تک ونڈو شوپنگ کرنے کے بعد دونوں تھک سے گیے اس لیے رنگین پانی بکھیرتے فوارے کے نزدیک بچھی نشستوں پر جا بیٹھے۔

"پیزا کی سروس بارہ بجے تک شروع ہوگی۔ تمہیں بھوک تو نہیں لگ رہی۔"

"نہیں۔" وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"تم بولتی ہی اتنا کم ہو یا مجھ سے شرما رہی ہو۔" وہ بڑی بے باکی سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اتنی دیر سے وہ مسعد کے ساتھ تھی مگر سوائے 'ہاں' یا 'نہیں' کے کچھ اور گفتگو ہی نہیں کر رہی تھی۔ اب جا کر مسعد کو اس بات کا خیال آیا تھا۔

"نہیں ایسا تو نہیں ہے۔" وہ نروس سی ہو کر اپنی چوڑیوں سے کھیلنے لگی۔

"تمہارا یہاں، دہلی میں رہنے کا کب تک پروگرام ہے؟" وہ اس کی گھبراہٹ دور کرنے کے خیال سے یونہی پوچھنے لگا۔

"ڈیڈی پر منحصر ہے۔ وہ ان دنوں نیویارک میں ہیں واپسی پر مجھے لیتے ہوئے پالم پور جائیں گے۔"

"تم نے بتایا نہیں کہ تمہارے ڈیڈی کا کونسا بزنس ہے؟ مزید معلومات کے خاطر اس نے سوال کر ڈالا۔

"ہمارے چائے کے باغات ہیں۔ بہت بڑے پیمانے پر چائے برآمد کی جاتی ہے۔ نہ صرف انڈیا بلکہ باہر ممالک میں بھی۔ اس کے علاوہ سیب اور پیچ کے باغات بھی ہیں۔" وہ نظریں جھکائے دھیمے دھیمے بتا رہی تھی۔

"اور تم نے اسٹڈی کہاں تک حاصل کی؟" وہ اس کی خوبصورت اور شستہ انگلش سے متاثر ہوتا ہوا بولا۔

"اے اسال میں نے شملہ یونیورسٹی سے ماسٹرز کیا ہے انگلش میں۔" وہ اب کافی حد تک اپنی گھبراہٹ پر قابو پا چکی تھی۔

"کیا کسی کو پسند کرتی ہو یا کہیں انگیجڈ ہو؟" اس کا چہرہ یکدم گلابی سے سرخ ہو گیا۔ پلکوں کی باڑھ نے

بڑے لوگ..... بڑی باتیں

☆ زندگی کے جس چاک کو عقل نہیں سی سکتی، محبت اسے بغیر تار اور سوئی کے سی لیتی ہے۔

(علامہ اقبال)

☆ ہر عمل کھوکھلا ہے، جب تک محبت نہ ہو۔

(خلیل جبران)

☆ خالص اور مکمل غم، خالص اور مکمل خوشی کی طرح ناممکنات میں سے ہے۔

(ٹالسٹائی)

☆ کچھ چیزیں جلد کھو جانے کے لیے ہی ہوتی ہیں، اس لیے چیزوں کو کھونے کا فن سیکھ کر خوش رہنے کا ڈھنگ سیکھیں۔

(الزبتھ بشپ)

☆ اگر تم چاہو تو اپنے خیالات کو بدل کر زندگی بہتر بنا سکتے ہو۔

(آسکر وائلڈ)

☆ زندگی کی خوشیاں ہمارے خیالوں پر منحصر ہیں۔

(کنفیوشس)

☆ وہ محبت یقیناً عظیم ہوتی ہے، جو ایک دوسرے کی عزت پر مبنی ہو۔

(جانسن)

(ساجد کلیم، کوئٹہ)

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.be

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

براؤن جھیلوں کو پھر سے چھپا لیا اور گلاب کی پنکھڑی جیسے لبوں پر شبنم کی سی بوندیں ابھر آئیں۔

مسعد کے لیے یہ نظارہ بڑا حیران کن اور مختلف سا تھا۔ آج تک اس کا واسطہ بڑی بولڈ اور فرینک قسم کی لڑکیوں سے پڑا تھا۔ یہ شرم و حیا اور گھبراہٹ اس کے لیے بالکل نئی چیز تھی۔

"پلیز! یہ بہت اہم سوال ہے؟ جواب دو نا؟" وہ اصرار کرنے لگا۔ وہ بمشکل نفی میں سر ہلا پائی تھی۔

"یعنی کوئی بھی نہیں ہے؟" وہ بے یقینی کی کیفیت میں گھبرا اسے دیکھنے لگا۔

"جینئس گاڈ! کیا قسمت پائی میں نے۔ جس کو زندگی میں پہلی بار پسند کیا اس پھول کے اطراف کوئی کانٹا نہیں ہے۔" وہ شرارتی لہجے میں کہتا اس کی کلائی میں پڑی چوڑیوں سے کھیلنے لگا۔ اس کی انگلیوں نے سفنہ کا خفیف سا لمس ہی پایا تھا مگر یوں، جیسے جسم کو کرنٹ کا جھٹکا سا لگا ہو۔ ادھر اس نے بھی گھبرا کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"بھی اس طرح کے کھیلوں میں حصہ لیا ہے۔" وہ اس کا ذہن بٹانے کے لیے سامنے جمع ہوئے بے پناہ جم غفیر کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔ "ہر اتوار کے اتوار یہ کھیل ہوتا ہے یہاں۔ آؤ تمہیں بھی دکھاؤں۔" وہ اچانک ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

دونوں سامنے لگی ریلنگ تک آئے تھے۔ یہ سینٹر اسٹیج مول کا سب سے آخری فلور تھا نکٹ لے کر ری کو جسم کے اطراف لپیٹ کر، اس آخری فلور سے نیچے کودا جاتا تھا۔ تھرل اور ہیجان سے بھرا یہ کھیل کھیلنے کے لیے مسعد نے بھی ٹکٹ لے لیا۔

"اب تم میرا یہ موبائل، والٹ، اور یہ کوٹ پکڑو۔ میں بس ذرا دیر میں آتا ہوں۔" اور اس سے پہلے کہ وہ صحیح طور پر سمجھتی کہ یہ کون سا کھیل ہے وہ اسے سارا سامان پکڑا کر سامنے والے فلور پر اتھامیہ کے پاس چلا گیا تھا۔

اور جب وہ اپنے چاروں طرف ری باندھ رہا تھا اور وہاں کھڑے تمام لوگ چلا چلا کر اس کی ہمت بڑھا رہے تھے تو سفنہ نے وہاں جھانک کر دیکھا تھا جہاں اسے کودنا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اتنی زیادہ گہرائی دیکھ کر اسے چکر سا آ گیا۔

"نہیں!" اس نے چیخ کر مسعد کو روکنا چاہا مگر تب تک وہ چھلانگ لگا چکا تھا۔ مارے خوف و دہشت سے سفنہ کا سانس تک رک گیا۔ بے پناہ شور و شرابے میں کافی دیر گذرنے کے بعد اس نے ڈرتے ڈرتے نیچے جھانکا۔ وہ وہاں نظر نہیں آ رہا تھا۔

"آہ! نجانے اسے کیا ہو گیا؟ کہاں گیا وہ؟" ڈھیروں آنسو دل کے سمندر سے نکل کر، سیلاب کی شکل میں آنکھوں کی طرف بڑھے۔ اس نے دھندلائی آنکھوں سے سب کو دیکھا۔ سب کتنے شاد اور مطمئن تھے کسی کو فکر نہ تھی کہ وہ ان سب کے بیچ سے غائب ہو گیا تھا۔ دوسرے ہی لمحہ وہ بے تحاشہ رو رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" نجانے وہ کہاں سے نکل آیا تھا اور اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے سرگوشی میں پوچھ رہا تھا۔

"کیا ضرورت تھی ایسا خطرناک گیم کھیلنے کی۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو؟" وہ بدستور اس کے شانے سے لگی رو رہی تھی۔

"او کے۔" وہ اس کے ہاتھ سے اپنا کوٹ اور دوسرا سامان لیتا ہوا اسے لے کر باہر نکل آیا۔ کار کی فرنٹ سیٹ پر اسے بٹھاتے ہوئے وہ خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

"کم از کم تمہاری اس وقت کی کیفیت نے ایک بات تو ثابت کر دی کہ مجھے کچھ ہو گیا تو تم رو رو کر بہت" وہ شوخی سے کہتے ہوئے ٹشو بوکس اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔

"پلیز!" وہ بھیگی لہجے میں کہتی ٹشو سے چہرہ صاف کرنے لگی۔

"میرے ساتھ رہو گی تو تمہیں بہت رونا پڑے گا ہنی! کیونکہ مجھے ایسے سارے جان جوکھم والے کام ہی پسند ہیں۔ جب میں لندن میں تھا تو باقاعدہ کار ریسنگ، ہورس رائیڈنگ (گھوڑ سواری کا مقابلہ) اور بونگ وغیرہ کے مقابلوں میں حصہ لیتا رہتا تھا۔ چھ سال تو میں نے جوڈو کرانے ہی سیکھنے میں لگا دیے۔ اس کو سیکھنے کے بعد تو یونہی دنیا سے جھگڑنے کو دل چاہنے لگتا ہے۔" وہ بدستور شرارت کے موڈ میں تھا۔

وہ گلابی گلابی آنکھوں کے ساتھ جھینپی جھینپی سی مسکرا دی۔

"اپنے ڈیڈی کا کانٹیکٹ نمبر مجھے دو گی پلیز۔ ایک میسج بھیجنا ہے انہیں۔" وہ کار کو موڑ پر سے تیزی سے

کاٹتے ہوئے بولا۔

سفنہ کی آنکھیں سوالیہ نشان بن گئیں۔

"آپ کی بیٹی کو چرانے کے لیے آ رہا ہوں۔ فوراً سے پیشتر اسے کہیں چھپا لیں۔"

"پلیز! وہ بہت سیریس آدمی ہیں۔ ان سے اس انداز میں بات نہ کرنا۔" شرمیلی مسکان اس کے لبوں پر بکھر گئی۔

"پھر تم ہی بتاؤ کہ ان سے کس انداز میں بات کی جائے کہ وہ مجھے بیٹے کی حیثیت سے فوراً قبول کر لیں۔"

وہ اسے کافی دیر تک چھیڑتا رہا، پھر سنجیدہ ہو کر بولا۔

"جانتی ہو، تمہارے رات والے میسج نے میرا کتنا خون بڑھا دیا ہے۔ اتنی خوشی تمہارے بیوی کوئن بننے پر نہیں ہوئی اور نہ اپنے اندازے کے صحیح ثابت ہونے پر ہوئی۔ خوشی صرف اس بات پر ہوئی ہے کہ تم نے اس خوشی کے موقع پر مجھے یاد رکھا۔ ایسے وقت وہی یاد آتا ہے جو دل سے بے حد نزدیک ہو۔" اس نے کار کو نوائیڈا کے ایک مشہور پیزا ہٹ کے سامنے روک دیا۔

"وہ میسج میں نے نہیں بھیجا تھا۔ افشین، امسی اور باقی ساری دوستوں کا کارنامہ تھا۔" وہ ذرا توقف کے بعد بولی۔ "اور پھر آپ کا جواب پڑھ کر تو میری اس قدر کلاس لی گئی تھی کہ بتا نہیں سکتی۔ آج شام وہ سب یہاں آ کر ہمیں رنگے ہاتھوں پکڑنے کا پروگرام بھی بنا رہی تھیں مگر اتفاق سے آپ مجھے لے کر صبح ہی چلے آئے۔" وہ اب جا کر اسے اصل بات بتا رہی تھی۔

"اف! کیا تھا اگر یہ بات تم مجھے بتا دیتیں تو؟ میں ذرا خوش فہمی کے جھولے میں کچھ اور ہی جھول لیتا۔" کار کا دروازہ کھولتے کھولتے اس نے شاکی نظروں سے سفنہ کو دیکھا۔ دوستوں کے گھیرنے والی بات کو اس نے کوئی خاص اہمیت ہی نہیں دی تھی۔

"میں نے سوچا بتا ہی دوں اب کہیں زیادہ خوشی کے باعث تم بے ہوش ہی نہ ہو جاؤ۔" پہلی بار وہ قدرے شرارت کے موڈ میں نظر آئی۔

"یعنی اب تمہیں میری فکر ہونے لگی ہے؟" وہ اتنی آسانی سے کہاں ہار ماننے والا تھا۔

"ہاں! تھوڑی تو ہو گئی ہے۔" وہ مسکراتی مہکی مہکی سی، معطر معطر سی تھی۔

مناجات

زینت قمر۔ چمپارن

اللہ مسلماں کو مسلمان بنا دے
ہو چشم کرم صاحب ایمان بنا دے
قرآن ہدایت کا مکمل ہے صحیفہ
اس بندے کو اب عامل قرآن بنا دے
بس ایک ہی حسرت ہے مرے کعبۂ دل میں
سرکار کے دربار کا دربان بنا دے
منزل ہے بہت دور گنہگار ہے بندہ
دشوار ہے رستہ بہت آسان بنا دے
چہرے سے مسلمان کوئی لگتا نہیں ہے
نادان ہے نادان کو انسان بنا دے
یہ نعت بڑے شوق سے لکھتی تو ہے زینت
لیکن تو اسے صاحب، دیوان بنا دے

"پھر ایسا کرو میرے دل میں ہی رہ جاؤ۔ وہاں رہ کر آرام سے میرے لیے فکر مند ہوتی رہنا۔" مسعد نے ہنستے ہوئے اس کے پرتپش رخساروں کو چھوا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے محبت کو دندناتے ہوئے اپنے دل کے اندر اترتا محسوس کر رہا تھا۔ ادھر وہ شرمگیں مسکراہٹ بکھیرتی کار کا دروازہ کھول کر اتر گئی تھی۔

☆☆☆

ہر طرف پھیلی تھی اس کی یاد جنگل کی طرح
میں گزر کر آ گیا ہوں ازتے بادل کی طرح

"ارے! سلطان احمد شاہ کی بیٹی ہے وہ! اکلوتی! کروڑوں کی جائیداد کی وارث۔ ہزاروں طلب گار ہیں اس کے۔ اس کے اپنے خاندان میں کئی ایک بچپن سے مانگے بیٹھے ہیں اسے۔ خود افشین کے بھائی کا پرپوزل ہے اس کے لیے۔ وہ بھی امریکہ سے انجینئرنگ کی ڈگری لے کر آیا ہے۔ ایک تم ہی نہیں ہو، کہ رشتہ لے کر

READING POINT
http://readingpoint.blogspot.com
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

پہنچے نہیں اور انہوں نے فوراً حامی بھر لی۔ یہ فراس سوائے اپنے بزنس کے کسی معاملے کو سنجیدگی سے نہیں لیتے۔ اب کتنا کہا تھا کہ اس وقت جاپان مت جایئے۔ رشتہ ذرا قاعدے سے لے کر جانا ہے۔ مگر گئے چار دن کے لیے تھے جا کر بیٹھ گئے پورے ویک (ایک ہفتے) کے لیے۔" غصے میں امسی بھابی کا ریکارڈ جو بجنا شروع ہوتا تھا تو بند ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔

"وہ بھی ضروری تھا بھابی! نئی کمپیوٹر کمپنی کے لیے کچھ جاپانی انجینئر درکار تھے۔ ان کے سلیکشن میں بھائی کا موجود ہونا بہت ضروری تھا۔ ویسے جانا تو مجھے بھی تھا مگر آپ نے شور مچا کر روک لیا۔" مسعد کمپیوٹر پر اپنا پروجیکٹ نامکمل چھوڑ کر انہیں سمجھانے بیٹھ گیا۔

"تو تم بھی چلے جاتے؟ تمہارا تو یہاں رہنا بیحد ضروری تھا۔ کمپنی کچھ دن بعد بھی شروع کی جا سکتی ہے مگر شادی زندگی میں صرف ایک بار ہوتی ہے اور وہ بھی اتنے زبردست خاندان میں! ان سے رشتہ جوڑ کر ہماری عزت اور مرتبے میں اضافہ ہوگا بھئی۔" امسی بھابی جو ہر وقت لیتی تھیں پھر اسے عمل کرنے کے لیے بے چین ہو جایا کرتی تھیں۔ اب اس رشتے کو لے کر وہ خاصی جذباتی ہو رہی تھیں۔

"تو پھر پرابلم کیا ہے؟ بھائی نے آپ کو اجازت تو دے دی ہے۔ اس معاملے کو جس طرح چاہیں ڈیل کریں۔"

"ارے تو کیا میں اکیلی ہی چلی جاؤں؟" وہ جھلا گئیں۔

"اپنے والد کو لے جایئے۔ وہ ڈیڈی کے دوست ہونے کی حیثیت سے ہمارے اکلوتے بزرگ ہیں۔ نہایت قاعدے قرینے سے بات کریں گے۔ بھائی اگر موجود بھی ہوتے تو تب بھی انہیں ہی لے جاتے۔" اس نے اپنی جانب سے بڑا معقول مشورہ دیا تھا۔

امسی بھابی کی ستائش بھری نظریں اور مطمئن ہو کر سر ہلانا، مسعد کو باور کرا گیا کہ بات ان کے دماغ میں اتر گئی ہے۔

پھر امسی بھابی نے کچھ ایسا ہی کیا تھا۔ وہ اپنے والد کے ساتھ پہلے سلطان احمد شاہ سے ان کے ہوٹل اوبرائے میں جا کر سب کے ساتھ ملی تھیں۔ پھر انہیں گھر پر دعوت دے کر ایک زبردست پارٹی ان کے اعزاز میں منعقد کی تھی۔ پہلی بار وہ نہایت جوش و خروش سے تقریب کی تیاری میں مصروف نظر آئیں۔ گھر کی ذرا ذرا سی سجاوٹ سے لے کر ڈشوں کی تیاری تک وہ مسلسل ہر کام میں پیش پیش رہیں۔

"آپ کی دوست نے کیا دینے کا وعدہ کر لیا ہے جو یوں اس رشتے کو کرانے کے درپے ہیں۔ ڈنر کے خاتمے پر اس نے بھابی کو چھیڑا تھا۔

"وصول اس سے تھوڑی، تم سے کروں گی۔ ایک بار شادی تو ہو جانے دو۔ دیکھنا، سارا بینک بیلنس خالی کرا لوں گی۔" بھابی اس کی شرارت کو سمجھتے ہوئے ہنس دی تھیں۔

"ویسے بھابی! آپ کی یہ دوست سخت بے مروت ہے۔ جب سے والد صاحب تشریف لائے ہیں۔ صورت دکھانے کو ترسا دیا ہے۔ گوشہ نشین ہو گئی ہیں۔ فون پر پابندی، میسج بھیجنے پر روک۔ والد صاحب کیا زیادہ ہی خطرناک شخص ہیں۔"

"جاؤ! ذرا بیٹھ کر ان سے گفتگو تو کرو۔" ذرا امپریسو (متاثر کرنے والا) انداز ہونا چاہیے۔ ابھی تک تمہاری ملاقات صرف سلام دعا تک کیوں ہے؟ میں بھی ابھی آتی ہوں۔ بس کافی بنانے لے اور کہہ آؤں۔" وہ اسے ہدایات دیتی کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

پھر سلطان احمد شاہ اور مسعد کی گفتگو مختصر ہی رہی۔ وہ اس کی تعلیم، مصروفیات اور اس کے فیوچر پلان کے بارے میں بات کرتے رہے۔ ان کی شخصیت بڑی شاندار اور متاثر کن تھی مگر مسعد کسی سے آسانی سے متاثر ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ اپنے مخصوص پر اعتماد اسٹائل اور نرم لہجے میں گفتگو کرتا رہا۔ بہر حال وہ رشتے کا کوئی بھی حتمی فیصلہ کیے بغیر واپس لوٹ گئے تھے۔

"ایک ہفتہ وہ انتظار کی سولی پر لٹکتا رہا۔ امسی بھابی نے بے شمار فون یاد دہانی کے طور پر کیے۔ ان کے والد جواب لینے کے لیے دوبارہ ہوٹل اوبرائے بھی گئے۔ فراس بھائی تک نے جاپان سے فون پر اس سے بات چیت کی۔ تب جا کر سلطان احمد شاہ کا فون مسعد کے نام آیا۔ "میں آخری فیصلے کے وقت تمہیں اپنے نزدیک رکھنا

چاہتا ہوں۔ اگر تم بزی نہ ہو تو؟"

"آپ کے لیے وقت ہی وقت ہے انکل! آپ جہاں ملاقات کرنا چاہیں۔" وہ فون پر مودب ہو گیا۔

"پھر ٹھیک ہے آدھا گھنٹے بعد میرا ڈرائیور تمہیں گھر سے پک کر لے گا۔ میں اپنے نجی ہیلی کوپٹر پر تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

اور زرا دیر بعد ہی وہ انکے نزدیک ہیلی کوپٹر میں بیٹھا آسمان کی گہرائیاں ناپ رہا تھا۔

"انکل! ہماری منزل کونسی ہے؟" اس نے سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے سلطان احمد شاہ سے پوچھا۔

"منزلوں سے کون واقف ہے یک مین؟ ہم سب بس اندھا دھند آگے کی سمت بھاگ رہے ہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری منزل کونسی ہے؟" وہ معنی خیز انداز میں کہتے ای سے سوال کر گئے۔

"ہاں! فی الحال میری منزل آپ کے جواب میں چھپی ہے۔ اگر آپ 'ہاں' کہہ دیں گے تو سمجھوں گا میں منزل پر پہنچ گیا۔ 'ناں' کی صورت میں راستوں میں بھٹک جاؤں گا۔" وہ بے دھڑک کہہ گیا۔

"پھر تم سمجھو کہ کم از کم تم تو منزل تک پہنچ گئے۔ تمہارا یہی بے خوف لب و لہجہ اور پر اعتماد انداز مجھے پسند آیا ہے اور میں نے اتنے بے شمار لوگوں میں تمہیں منتخب کر لیا ہے۔" وہ سراہنے والی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ہنس دیے۔ "ویسے تمہارے حق میں ایک اور پاور فل ووٹ تھا، ہماری بیٹی سفینہ کا ووٹ۔ وقت نے ہماری بیٹی کی قسمت میں بہت سی محرومیاں لکھ دی تھیں اور ہم نہیں چاہتے تھے کہ مزید دل دکھانے کے مرتکب ہم بن جائیں۔" دیکھتے ہی دیکھتے ان کے چہرے کی کیفیات بدلی تھیں۔ غم و صدمہ ان کے چہرے پر پگھل رہا تھا۔ پھر شاید مسعد سے اپنی کیفیات چھپانے کی غرض سے وہ کھڑکی کے باہر دیکھنے لگے۔ مسعد ان سے کچھ پوچھنے کے موڈ میں تھا بھی نہیں۔ محرومی والی بات پر تو اس کا دھیان بھی نہیں گیا تھا۔ وہ سفینہ کو سوچنے پر راضی ہو گئے ہیں بس یہ خیال، خوشی کا بیکراں احساس بن کر دل کے سمندر میں لہروں کی شکل میں ابھر رہا تھا۔

"سر! اب ہم پالم پور پہنچنے والے ہیں۔" پائلٹ

غزل

ڈاکٹر مینا نقوی
مراد آباد

قناعت کو وہی کچھ لوگ فن محسوس کرتے ہیں
جو ایک غنچے میں بھی سارا چمن محسوس کرتے ہیں
غموں کی دھوپ میں ملتا نہیں جو پیار کا سایہ
مرے احساس کے پاؤں تھکن محسوس کرتے ہیں
لگائی رشتوں کی ٹھنڈک نے خود غرضی کی وہ آتش
کہ اب ہم برف میں اکثر جلن محسوس کرتے ہیں
وہ راتیں جس میں اس کی یاد کے جگنو چمکتے ہیں
ستاروں سے بھی ہم انجمن محسوس کرتے ہیں
کیا سیراب جب سے بادلوں نے سوکھی دھرتی کو
ہم اپنے آپ کو تشنہ دہن محسوس کرتے ہیں
ہمارا ذکر بھی مینا کیا جاتا ہے محفل میں
ہماری بھی کمی اب اہلِ فن محسوس کرتے ہیں

اگلی سیٹ سے انہیں مطلع کر رہا تھا۔ دونوں بیک وقت اپنی اپنی سوچوں سے چونکے تھے۔ مسعد نے نیچے کی سمت نظر ڈالی تھی۔ سے شاہ پتلی پتلی لہراتی ہوئی ندیاں، اوپر سے گزرتے آبشار سرسبز پھولوں سے بھرا یہ علاقہ پہاڑوں کے درمیان بسا ہوا تھا۔ ہمالیہ پہاڑ کی برفیلی چوٹیاں سورج کی شعاعوں میں چمک رہی تھیں۔ فطرت سے ہم کلام مناظر، بولتی ہوئی خاموشی، حیران کن نظارے یقیناً یہ علاقہ جنت نظیر تھا۔

"آج تمہیں ساتھ لانے کا مقصد یہ علاقہ دکھانا تھا۔ اب تمہیں ان سب سے واقف ہو جانا چاہیے۔ اس علاقہ کا بیشتر حصہ صدیوں سے ہماری خاندانی جاگیر رہا

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.com
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

ہے۔ ہمارے یہاں باہر شادیاں کرنے کا رواج نہیں ہے۔ اس طرح سے جائیداد اپنوں کے درمیان ہی رہتی ہے۔ مگر میں وہ غلطیاں دہرانا نہیں چاہتا جو ہمارے بزرگوں نے کیں۔ سفینہ کی شادی خاندان سے باہر ہونے کی خبر، میرے ہی خاندان کے لوگوں کو مخالف بنا کر کھڑا کر دے گی۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ وقت ضائع کیے بغیر فوراً شادی کر دی جائے۔ اس سے پہلے کہ انہیں کچھ علم ہو اور فساد بنایا جائے۔ میں نہایت خاموشی سے اس فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ فی الحال میں یہ خبر پالم پور تک پہنچنے ہی نہیں دوں گا۔ پھر جب حالات میرے موافق ہو جائیں گے تو سب کو اطلاع دے دی جائے گی۔"

ان کے انداز میں نہ حکم تھا نہ التجا، بس ضروری بات گوش گذار کر کے مشورہ لینے والا انداز تھا۔

"آپ جیسا مناسب سمجھیں، ویسا کریں گے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس سلسلے میں ہماری طرف سے کوئی اعتراض ہوگا۔ ہم سب جب ایک مضبوط رشتے میں بندھنے والے ہیں تو ایک دوسری کی مشکلات کو سمجھنا ہمارا فرض بن جاتا ہے۔" وہ ان کے مسائل کو سمجھتے ہوئے خود بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"بس چند خاص لوگوں کی موجودگی میں شادی اور پھر ولیمے کی تقریب میں بھی تمہارا حلقہ احباب مختصر ہی رہے تو بہتر ہے۔ پھر بعد میں بے شک گرینڈ لیول پر تقریب منعقد کرتے رہنا۔"

"اور ہاں بیٹا! ایک بات کا وعدہ کرو۔ سفینہ میری جان ہے۔ اس کے چہرے پر ملال کا ہلکا سا بھی بادل چھا جائے تو میرا دل مر جانے کو چاہنے لگتا ہے۔ پلیز! تم اس کا خیال رکھنا۔"

"آپ اس کی طرف سے قطعی بے فکر ہو جائیں۔ سفینہ اب میری ذمہ داری ہے۔" اس کا لہجہ خلوص اور اپنائیت کے پھولوں سے اتنا گندھا تھا کہ اس کی مہک سلطان احمد نے بھی محسوس کی۔ وہ ایک دم بے حد مطمئن اور پرسکون سے ہو گئے۔

پھر تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی اڑان کے بعد ہیلی کوپٹر واپس دہلی آ گیا تھا۔ سب کچھ کتنی آسانی سے ہو گیا تھا۔

اسے اپنے اوپر رشک سا آتا۔ یقین ہی نہیں آتا تھا کہ صرف دس دن بعد سفینہ احمد شاہ اس کی ہونے والی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں معلوم! آج مجھے کسی بھی صورت سے ملنا ہے۔" موبائل پر اس کی آواز سنتے ہی وہ پھیل گیا۔ ان دنوں سفینہ نے مکمل طور پر باہر نکلنا بند کر دیا تھا۔ موبائل تک آف رکھتی تھی۔ ہزار بار ملانے کے بعد نجانے کیسے اس وقت اس کی لائن مل گئی تھی۔

"مگر یہ کیسے ممکن ہے مسعد!" وہ ہمیشہ کی طرح پریشان سی ہو گئی۔ "پچھلے سات آٹھ دن سے ڈیڈی ہر وقت میرے ساتھ ہیں۔ دن رات شوپنگ چل رہی ہے۔ اب تو صرف دو دن رہ گئے ہیں شادی میں۔ میں کیا کر کر نکلوں؟"

"ٹھیک ہے مت آؤ۔ میں ہی کچھ کرتا ہوں۔" وہ خفا سا ہو کر فون بند کر گیا۔

صبح ہی اسی بھابی نے اسے چھیڑتے ہوئے بتایا تھا۔ "یو نو! آج بہت سے اہم کام کرنے ہیں۔ صبح صبح سفینہ کی ہیئر بینگ، ویکسین اور فیشل کرا کے ہوٹل واپس لے آئیں گے۔ پھر شام کو ہم سب نے مل کر گانوں، غزلوں کا پروگرام رکھا ہے۔ تم تصور ہی تصور میں یہ سب دیکھتے رہو اور تڑپتے رہو۔" وہ بھلا کیا تڑپنے والا تھا۔ سوچا تھا کہ ان شرارتی ٹولے کے دوبارہ ہوٹل پہنچنے سے پہلے ہی اسے اڑا کر کہیں باہر لے جائے گا۔ اچانک ہی دل اسے دیکھنے کے لیے بے قرار ہوا تھا۔ پھر اسے ہوٹل اوبرائے پہنچنے میں آدھا گھنٹے سے بھی کم وقت لگا تھا۔ سلطان احمد شاہ کے سوئیٹ کے باہر گھنٹی بجاتے ہوئے اسے انتظار کرنا محال لگ رہا تھا۔ دروازہ انہوں نے ہی کھولا اور مسعد کا بڑا پرجوش قسم کا استقبال ہوا۔ تھوڑی دیر کی رسمی گفتگو کے بعد وہ اپنے مطلب پر آ گیا۔ اور سفینہ کو کہیں باہر لے جانے کی خواہش کا اظہار کر دیا تھا۔

ذرا کی ذرا ان کی آنکھوں میں تحیر جاگا۔ مگر تھوڑی دیر بعد سر ہلاتے ہوئے انکا چہرہ لاتعلق ہو گیا۔ "اگر وہ چاہے تو لے جاؤ۔"

"ہے کہاں وہ؟" مارے خوشی کے چھلانگیں مارتے اپنے دل کو اس نے قابو کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ کسی کام

کے جواب میں چونکہ مصروف ہو گئے تھے اس لیے ہاتھ سے اندرونی کمرے کی طرف اشارہ کر دیا۔ اندر دو بیڈ روم مزید تھے۔ اس نے اندازے سے دوسرے بیڈ روم کے دروازہ پر ہلکے سے دباؤ ڈالا تھا۔ وہ سامنے بیڈ پر ہاتھوں اور پیروں میں مہندی لگائے لیٹی تھی۔ ڈارک گرین کلر کی چھوٹی چھوٹی آستینوں والی شرٹ اور پیررل پاجامہ پہن رکھا تھا۔ دوپٹہ ایک کونے میں پڑا تھا۔ پاجامہ کے پائنچے اوپر چڑھائے وہ بڑے مزے سے شون پول کے گانے سن رہی تھی۔ اسے دیکھا تو اچھل ہی پڑی۔ بڑی بڑی آنکھیں پھیلاتے ہوئے پہلے مسعد کو دیکھا تھا پھر باہر کی سمت گھبرا کر دیکھا تھا۔

"تمہارے ڈیڈی سے اجازت لے کر ہی آیا ہوں۔" وہ بڑے آرام سے اس کے بیڈ پر پھیل کر بیٹھ گیا۔

"اس وقت کیوں چلے آئے؟ کیا سوچیں گے ڈیڈی؟" وہ گھبرائی ہوئی پاجامہ درست کرتے ہوئے دوپٹہ تلاش کرنے لگی۔ مہندی لگی ہونے کے باعث وہ اٹھ کر کھڑی نہ ہو سکی۔ مسعد نے دوپٹہ سائیڈ سے اٹھا کر اس کے شانوں پر ڈال دیا تھا۔

"اب ذرا سکون سے بیٹھو اور مجھے اپنی مہندی دکھاؤ۔ میرا نام تمہاری ہتھیلی پر لکھا گیا یا نہیں۔" وہ اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر بولا۔

سفید اور گلابی ہاتھ مہندی کے بیل بوٹوں سے سجے تھے۔ اسے اپنا نام ہتھیلی کے آسمان پر چاند کی طرح دمکتا محسوس ہوا۔ دل میں اچانک ہی خوشی اور سرکش خواہش جاگی تھی اس سے پہلے کہ وہ دماغ پر حاوی ہوتے ہوئے اس نے بڑی ملائمت سے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے۔

"تمہیں کچھ دینا تھا۔" وہ جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ تلاش کرنے لگا۔

"لندن میں ایک بار جیولر شاپ پر اس پرل (سچے موتی) کے ہار پر نظر پڑی تھی۔ تب یہ سوچ کر خرید لیا تھا کہ جو لڑکی میرے دل و دماغ میرے خیالات و جذبات سب پر حاوی ہو جائے گی۔ اور جس کے بغیر مجھے جینا محال نظر آنے لگے گا، اس کے گلے میں اپنے ہاتھوں سے پہناؤں گا۔ لندن سے واپس آنے کے بعد نجانے اسے کہاں رکھ کر بھول گیا تھا۔ آج جیسے ہی یہ ملا۔ میں

سنہری اقوال

☆ عظیم گناہوں کا کفارہ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنا ہے۔

☆ بے شک دیر تک سوچو لیکن سوچنے کے بعد جو فیصلہ کرو وہ اٹل ہو۔

☆ حاکم کا ایک گھڑی کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔

☆ خواہشات کی یلغار انسان کو کمزور کر دیتی ہے۔

☆ اگر طلب شدید اور لگن سچی ہو تو منزل قریب سمٹ آتی ہے۔

☆ یادیں حنا کی مانند ہوتی ہیں جو سوکھ جانے کے بعد ہی رنگ لاتی ہیں۔

☆ بات الفاظ کی نہیں لہجے کی ہوتی ہے۔

☆ آئیڈیل بنانے میں ایک منٹ نہیں لگتا اور آئیڈیل بننے میں ڈھیر سارے سال گزر جاتے ہیں۔

☆ خوش ہونے کے لیے کسی خاص موسم کا انتظار نہیں کرنا پڑتا۔

☆ خیرات مال میں اضافہ کرتی ہے۔

☆ جو اپنی ذاتی اصلاح نہیں کر سکتا اس سے دوسروں کی اصلاح ممکن نہیں۔

☆ دنیا ایک بینک ہے تم کو اس میں سے وہی چیز ملے گی جو تم نے جمع کی ہے۔

☆ آدمی کو خود اس کی ذات کے سوا دوسری چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.be
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

تمہیں دینے کے لیے بے چین ہو گیا۔"

اس نے چھوٹے سے ڈبے سے سچے موتیوں کی چوکر کی مالا نکالی تھی اور اس کی صراحی دار گردن کی زینت بنا دی تھی۔ وہ کھلتے چہرے کے ساتھ، مسکراتے لبوں سے مسلسل نظریں نیچے کیے بیٹھی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" وہ اس کے چاند چہرے پر منڈلاتی زلفوں کو کانوں کے پیچھے سمیٹتا ہوا بولا۔

"یہی کہ میری امانت کو مجھ تک پہنچانے میں آپ نے بڑی دیر کر دی۔" وہ جھلملاتی آنکھوں کے ساتھ ایک دم ہنس دی تھی۔

"اتنی پیاری باتیں آج نہ کرو پلیز! پرسوں کے لیے اٹھا کر رکھو کیونکہ باہر تمہارے ڈیڈی موجود ہیں اور میں کوئی بہت اپنے اوپر کنٹرول کرنے والا بندہ بھی نہیں ہوں۔" اس کے چہرے پر ناچتی شرارت۔ سفنہ نے اپنے رخسار جلتے ہوئے محسوس کیے۔

"اب اس حالت میں تمہیں باہر تو نہیں لے جا سکتا۔ اس لیے ایک بار یہیں پرسن لو۔"

"تھینک یو سو مچ! کہ اتنے رشتوں میں تم نے مجھے فوقیت دی۔ اب یہ بعد میں پوچھوں گا کہ میری کون سی ادا بھائی تھی تمہیں۔ ویسے میری طرف سے ایک وعدہ ہے کہ آئندہ تم زندگی میں ہر پل صرف ہنستی مسکراتی رہو گی۔ اداسی کی ہلکی سی کرن بھی تمہارے دل کو نہ چھو سکے گی۔"

"اوکے ڈیر! اب میں چلوں گا۔ بھابی بالکل تنہا سارے انتظام کرتی پھر رہی ہیں۔ فراس بھائی ابھی تک ٹوکیو (جاپان) سے واپس نہیں آئے۔ ابھی تھوڑا کام باقی رہ گیا تھا ان کا وہاں۔ ہم لوگوں نے بھی کہا کہ ختم کر کے ہی آؤ۔ ورنہ پھر جانے کی دردسری ہو گی۔ اب شاید وہ کل رات تک آئیں۔ اور ہاں! تمہاری مدر نظر نہیں آ رہیں؟" وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تو اسے اچانک خیال آیا۔ "اب تک تو انہیں آ جانا چاہیے تھا؟ تم اس طرح یہاں اکیلی؟ ایسے وقت تو لڑکی کو ماں کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔"

سفنہ کے خوشیوں بھرے چہرے پر یکدم تاریک سایہ لہرایا تھا، یوں جیسے چودھویں کے چاند پر سیاہ بدلی چھا جائے۔

"کل تک آ جائیں گی نا؟" وہ ٹھٹک کر جاتے جاتے رک گیا۔ وہ بول ہی نا سکی تھی صرف نفی میں سر ہلایا تھا۔

"کیوں؟ کیا ان سے بھی شادی والی خبر کو پوشیدہ رکھا گیا ہے؟" وہ حیرت و استعجاب میں ڈوب گیا۔ ادھر وہ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے متوحش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر مسعد نے نجانے کیا سمجھ کر سر ہلایا تھا اور اس سے مزید کچھ بھی پوچھنے کا ارادہ موقوف کر کے وہاں سے چل دیا تھا۔ ادھر وہ جو بڑی مشکل سے آنسوؤں کے سیلاب کو دھکے مار مار کر اندر کی سمت روانہ کر رہی تھی، اب یہ کوشش ترک کر چکی تھی۔ نتیجتاً آنسو بڑی روانی سے گلابی گالوں کو بھگو رہے تھے۔

سلطان احمد شاہ نے شادی کا انتظام ہوٹل اوبرائے کے بڑے سے ہال میں ہی کیا تھا۔ فراس بھائی کو ایک دن پہلے تک پہنچنا تھا مگر فلائیٹ کے کینسل ہو جانے کی وجہ سے وہ عین شادی والے دن ہی پہنچ پائے تھے۔ وہ بھی اس وقت جب بارات ہوٹل اوبرائے جا پہنچی تھی۔ فراس بھائی کی سخت ہدایت تھی کہ ان کے انتظار میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔ سبھی لوگ سیدھے ہوٹل پہنچیں، وہ بھی ایئرپورٹ سے سیدھے وہاں پہنچ جائیں گے۔ جیسے ہی وہ پہنچے تھے انہیں اسٹیج پر لے جایا گیا تھا اور نکاح کی ضروری کارروائی شروع ہو گئی تھی۔ پھر جیسے ہی یہ سلسلہ اختتام کو پہنچا مسعد سب سے پہلے بڑی بھائی سے ہی گلے لگ گیا تھا اور مبارکباد اور دعاؤں کو وصول کرتا فراس بھائی کو سلطان احمد شاہ سے ملوانے کے لیے لے گیا تھا۔ سبھی مہمان میزوں کے اطراف بچھی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ میوے اور مختلف قسم کے مشروب ویٹر سرو کر رہے تھے۔ وہیں سب کے درمیان سلطان احمد شاہ بھی جا بیٹھے تھے اور دوستوں سے مبارکباد کی وصولیابی کا کام بڑے کھلے کھلے چہرے کے ساتھ کر رہے تھے۔ داماد سے بھی بڑے پرجوش انداز سے گلے ملے تھے اور تب مسعد نے انکا تعارف فراس بھائی سے کرایا تھا۔

فراس کے چہرے کا رنگ یک لخت ہی بدلا تھا۔ بڑی بے دلی اور مرے مرے انداز میں انہوں نے سلطان احمد شاہ سے مصافحہ کیا تھا۔

"خیریت!" جیسے ہی سلطان احمد شاہ کو دوسرے

لوگوں نے گھیرا۔ وہ فراس کو سب کے درمیان سے نکال کر ایک کونے میں لے گیا۔

"کیا ہوا آپ کو؟" وہ ان کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ کر پریشان ہوا تھا۔ بار بار وہ پیشانی پر آیا پسینہ پونچھ رہے تھے۔

"مجھے اپنی طبیعت کچھ خراب سی محسوس ہو رہی ہے۔" ان کی نظریں ایک بار پھر سلطان شاہ پر جم سی گئیں۔

"ہاں وہ تو ہو گی ہے۔ پوری رات آپ ٹوکیو ایئرپورٹ پر فلائیٹ کے انتظار میں پریشان ہوتے رہے۔ پھر بنا آرام کیے سیدھے ایئرپورٹ سے یہاں چلے آئے۔ آپ چلیے ہال کے برابر والا کمرہ ہمارے ہی تصرف میں ہے۔ آپ وہاں تک آرام کر لیجیے۔ میں بھابی کو ادھر ہی بھیجتا ہوں۔ یا اگر طبیعت زیادہ خراب محسوس ہو رہی ہو تو ڈاکٹر کو بلاؤں۔" مسعد خاصی فکر مندی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"نہیں ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ذرا آرام ہی کر لیتا ہوں۔" وہ گہری سوچ میں گم، مسعد کی ہمراہی میں ہی ساتھ والے کمرے میں آ گئے۔ پھر لنچ کے لیے سلطان احمد شاہ نے ہی انہیں بلوایا تھا۔ مسعد نے مطمئن انداز سے ان دونوں کو آپس میں باتیں کرتے دیکھا اور پھر اسی بھابی کی طرف متوجہ ہو گیا جو سفنہ کو دلہن بنا کر اسٹیج کی طرف لے کر آ رہی تھیں۔ میرون نشو کے سوٹ پر گولڈن زرکشی کا [illegible] روپی اور گولڈن کی دلکش جیولری۔ وہ اس [illegible] کے ساتھ دکھائی دے رہی تھی جس کا روپ دیکھ کر خود بہار بھی [illegible] جب اسے اسٹیج پر لا کر بٹھا دیا گیا تو سبھی کیمروں کے رخ اس کی طرف ہو گئے تو اسے کتنی ہی دیر اپنی دھڑکنیں سنبھالنے میں لگے۔ رخصتی کے بعد دولہا دلہن کے لیے ہوٹل شیرٹن میں ایک کمرہ بک کرایا گیا تھا۔ سب مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد وہ چاروں ایک ہی کار میں بیٹھ کر ہوٹل شیرٹن میں آئے تھے۔ اسی بھابی کو، اندر کمرے میں سفنہ کے ساتھ چھوڑ کر فراس نے اشارے سے مسعد کو باہر بلایا تھا۔

"میں کتنی ہی دیر اس کشمکش میں مبتلا رہا کہ یہ بات تمہیں بتائے جانے کے قابل ہے یا نہیں۔ بالآخر اس

فرمان نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

☆ ..... جو لوگوں کا ممنون احسان نہیں ہوتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

☆ ..... بہترین کام وہ ہے جو اعتدال سے کیا جائے۔

☆ ..... قوم کا سردار قوم کا خدمت گار ہوتا ہے۔

☆ ..... اوپر کا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔

☆ ..... دولت مندی دل کی دولت مندی ہے۔

☆ ..... دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے بہشت۔

☆ ..... کسی چیز سے بے حد محبت کرنا تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتا ہے۔

☆ ..... وہ شخص ہلاک نہیں ہو گا جس نے اپنی قدر پہچانی۔

ظفر علی (گوندہ)

نتیجے پر پہنچا کہ سلطان احمد شاہ بہت خطرناک شخص ہے اگر اس نے تمہیں اپنی بیٹی کے لیے منتخب کر لیا ہے تو ضرور اس کا تم سے کوئی نہ کوئی مفاد وابستہ ہے۔ وہ کسی کو بھی نہیں بخشتا۔ تم اس سے ہوشیار رہنا۔" فراس بھائی عجیب سے اضطراب میں مبتلا نظر آ رہے تھے۔

"آپ ان کی فطرت کو کیسے جانتے ہیں؟ غالباً آپ ان سے پہلی بار آج ہی ملے ہیں؟" مسعد کا استعجاب میں ڈوب جانا فطری تھا۔

"وہ انکل شاہ ہے مسعد! وہی انکل شاہ جس نے ہمیں برباد کر دیا۔ تین سال ہماری زندگیاں موت سے بدتر کر دیں۔ ممی، پاپا، ہمارا گھر، ہمارا بچپن سب ہم سے چھین لیا۔" کہتے کہتے فراس بھائی کی آواز بھرا گئی۔

"نہیں!" وہ سناٹوں میں گھر گیا۔ "کیا آپ کو

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.be
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

"یقین ہے؟"

"یقین کرنے کے بعد ہی تمہیں بتانے کی ہمت کر رہا ہوں۔ اس زمانے میں انگلینڈ میں رہنے کے کئی واقعات وہ سب کو خود سنا رہے تھے۔" فراس بھی ازحد پریشان تھے۔

"ایسا کس طرح ہو سکتا ہے؟ میں نے کیوں نہ انہیں پہچانا؟" وہ غم و غصے کے لامتناہی غار میں اترنے لگا۔

"تم ان دنوں بہت چھوٹے تھے مسعد! صرف چھ سات سال کے۔ پھر انہوں نے بعد کے حالات میں تو گھر آنا بھی بند کر دیا تھا۔ یوں تمہاری واقفیت تو ان کی شکل و صورت سے 'نال' کے برابر ہی ہے۔" فراس نے اس کے غیر معمولی رنج و غم کو محسوس کر کے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"خیر ایک اچھی بات یہ بھی ہے کہ وہ بھی ہمیں نہیں پہچانے ہیں۔ عرصہ بھی تو کتنا گذر گیا۔ بیس سال! اتنی مدت میں تو دنیا بدل جاتی ہے۔ میں تمہیں آج کی رات پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا مگر پھر وہی تمہاری طرح تمہارے ساتھ بھی وہی کچھ نہ ہو جو پاپا کے ساتھ ہوا تھا۔ کچھ کاغذات وغیرہ پر سائن نہ کرا لیں۔" وہ کہتے کہتے اسی بھابی کی طرف دیکھنے لگے جو دلہن کی خواب گاہ کا دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل رہی تھیں۔

"کیا بہترین میریڈ لائف گذارنے کے گر سکھائے جا رہے ہیں بھائی کو۔" وہ ہنستی ہوئی ان کی طرف آ رہی تھیں۔

"اب جو قسمت میں لکھا تھا، وہ ہو گیا آئندہ اس شخص کی طرف سے محتاط رہو بس!" فراس آخری ہدایت دیتے ہوئے اسی بھابی کی طرف بڑھ گئے۔

"پھر ان لوگوں کے جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک کمرے کے باہر ٹہلتا رہا۔ دل کے ایوان کے ہر دریچے میں جو اس نے مسرتوں کے دیپ جلائے تھے، وہ ایک ایک کر کے بجھ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اندر، بہت دور تک اندھیرا چھا گیا۔ اب وہ ان اندھیرے راستوں پر اندھوں کی طرح ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ لڑکھڑا کر گر رہا تھا۔ سفنہ کی محبت ہلکی سی کرن کی صورت میں بھی رہنمائی کے لیے موجود نہیں تھی۔

"سلطان احمد شاہ! تم نے جو کچھ ہمارے ساتھ کیا تھا، دیکھ لو اس کے حساب کتاب کا وقت آ گیا ہے۔ آخر اللہ نے کچھ سوچ کر ہی تمہیں مجھ سے اس انداز میں ٹکرایا ہے۔ تم دیکھنا میں ان اذیت ناک دنوں کا بدلہ تم سے کیسے لوں گا۔"

"تمہاری بیٹی میں تمہاری جان ہے۔ یہی کہا تھا نا تم نے۔ اس کی آنکھوں میں بھی آنسو نہ آنے کا وعدہ لیا تھا نا تم نے مجھ سے۔ دیکھنا اب وہ کیسے ساری زندگی خون کے آنسو بہائے گی۔" وہ غیض و غضب کی تصویر بنا اس آراستہ کمرے میں داخل ہو رہا تھا جس میں سفنہ دلہن بنی کب سے اس کی راہوں میں پلکیں بچھائے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

وہ بھی کیا عجیب شخص ہے کہ جس کی ذات پر
جب اعتبار بڑھ گیا تو اختیار گھٹ گیا

کتنی ہی دیر وہ شاور کے نیچے کھڑا رہا لیکن دماغ پر چڑھی گرمی نے اترنے کا نام ہی نہیں لیا۔ 'کیا کروں' والی کیفیت کی گردان کرتا ہوا وہ واپس اپنے کمرے میں آیا تھا۔ جہاں جہازی سائز پھولوں سے آراستہ بیڈ پر، وہ اب تک اسی کی منتظر تھی۔ اس کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے یاسمین کے پھولوں کا نہایت فراخدلی سے استعمال کیا گیا تھا۔ مگر اس وقت یہ خوشبو اسے کافور جیسی محسوس ہو رہی تھی۔ سرخ سرخ گلاب کے پھول جو بیڈ پر بڑے آرٹسٹک ڈھنگ سے بکھرائے گئے تھے اسے منہ چڑاتے محسوس ہوئے۔ دل چاہا کہ آگے بڑھ کر ان کی ایک ایک پتی نوچ کر انہیں روندتا ہوا گذر جائے۔ شدید ترین اشتعال کے زیر اثر اس نے سفنہ کا آنچل جھٹکے سے کھینچ لیا۔

"کیا ماڈل بنی بیٹھی ہو۔ جاؤ جا کر لباس تبدیل کر کے آؤ۔" سفنہ نے گھبرا کر، کچھ بوکھلائے ہوئے مسعد کو دیکھا تھا۔ وہ آنکھوں میں پتھروں جیسی سختی اور چہرے پر منجمد سناٹا لیے بیڈ کے دوسری سمت جا کر لیٹ گیا تھا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" ذرا دیر بعد ایک ٹھنڈا یخ ہاتھ اس کی پیشانی پر ٹھہر گیا اور مہندی اور 'ڈیون روز' کی ملی جلی خوشبو اس کے بے حد نزدیک آ گئی۔

"میرے سر میں شدید درد ہے۔ تم سو جاؤ جا کر۔" وہ اس کا ہاتھ جھٹک گیا۔

"تو سر درد یونہی تھوڑی چلا جائے گا۔ آپ کوئی پین کلر لے لیں۔ رکیے میں روم سروس سے بات کر کے ٹیبلیٹ منگواتی ہوں۔ چوڑیاں بجی تھیں، پائل نے مسلسل شور مچایا تھا۔ وہ دھیمے دھیمے فون پر کسی سے مخاطب تھی۔

"ابھی میڈیسن آ جاتی ہے۔ لائیے میں آپ کا سر دبا دوں۔ تھوڑی سی نیند لے لیں گے تو سر درد فوراً ہی چلا جائے گا۔" وہ بیڈ کی اس سمت چلی آئی جس طرف وہ کروٹ لیے لیٹا تھا۔

"پیچھے ہٹو! مجھے کسی کی ہمدردیوں کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بھڑکے ہوئے لہجے میں اتنی زور سے چیخا تھا کہ سفنہ سہم کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔ تبھی دروازے پر بیل ہوئی تھی۔ اس نے پریشان نظروں سے مسعد کو دیکھا پھر باہر کی سمت قدم بڑھا دیے تھے۔

"رک جاؤ۔" وہ بڑے جارحانہ تیوروں سے کہہ رہا تھا۔

"ویٹر دوائی لے کر آیا ہوگا۔" وہ سچ مچ ہونق ہو گئی۔

"میں مر نہیں گیا ابھی، جو تم اس لباس میں ویٹر کے سامنے جا رہی ہو۔ میں خود ہی لے لوں گا۔" وہ غراتا ہوا دروازے تک گیا تھا پھر خود ہی واپسی پر گلاس بھر کر پانی لیا تھا اور گولی نگل لی تھی۔

پھر اس کی طرف بغیر دیکھے واپس بستر کا رخ کیا تھا اور [illegible] آنکھیں موند لی تھیں۔ ادھر وہ ضبط کی حدوں کو پھلانگتی بار بار ہونٹ چباتی بھی اس کوشش میں پورا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ بیڈ کے دوسرے کنارے پر بیٹھے بیٹھے کتنی ہی بار اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا پھر اسے بدستور آنکھیں بند کیے لیٹا دیکھ کر جھر جھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اسے لگ رہا تھا کہ آج سارے جسم کا خون پانی بن کر آنکھوں کے راستے بہہ جائے گا اگر وہ یونہی خفا رہا تو۔ نجانے کتنی ہی دیر بعد مسعد نے اپنی آنکھوں سے بانہوں کو ہٹایا تھا۔

"اب پرانی ہندی فلموں کی ہیروئن کی طرح رونا دھونا بند کر دو۔ میں بہت صبر اور شرافت کا مظاہرہ کر رہا ہوں۔ ورنہ وہ حشر کروں گا کہ صبح تمہارے ڈیڈی کو پچھتانے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔" وہ زہر خند لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہ دہل کر آنسو پونچھ گئی۔ پھر اس کی طرف سے پیٹھ موڑتے ہوئے اسے اپنا آپ کسی معصوم فاختہ جیسا لگا جو اچانک آندھی کے طوفانوں میں گھر گئی ہو۔ بار بار دل بھر کے آ رہا تھا اس کیفیت میں نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

مگر مسعد مسلسل سلگتے ہوئے دماغ کے ساتھ جاگ رہا تھا۔ زندگی کا اتنا بڑا مذاق اس سے کسی طور برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ کیا تھا اگر آج میرے خوشیوں بھرے دل پر غم کے بادل نہ چھاتے۔ کاش کہ سفنہ سلطان احمد شاہ جیسے ذریعین کی بیٹی نہ ہوتی۔

وہ یادوں کے دریچے پھلانگنے لگا۔ یادیں اگر بے حد اذیت ناک ہوں تو انسان ان کی گہرائی میں نہیں جاتا، صرف چھلانگیں لگا کر اوپر ہی اوپر سے گذرتا جاتا ہے۔

اس نے اپنی یادداشت کو ٹٹولتے ہوئے پہلے دریچے تک چھلانگ لگائی۔ لندن کے پرتعیش ماحول میں زندگی بڑی مطمئن نظر آئی۔ پاپا قمر رئیس کا بزنس بڑے اچھے پیمانے پر چل رہا تھا۔ وہ بہت کیرنگ باپ تھے۔ ممی انتہا سے بھی کچھ زیادہ ہی تھیں نچھاور کرنے والی ماں تھیں۔ فراس بھائی اور وہ لندن کے بہترین پرائیوٹ لیلفا انٹرنیشنل اسکول کے قابل فخر طالب علم تھے۔

دو ہمزاد بچے۔ اسے سوگواری سی بکھری نظر آئی۔ ممی کو نجانے کونسی بیماری ہو گئی تھی۔ پاپا ہر دم پریشان اور فکرمند سے نظر آتے۔ تقریباً پورا دن ان دونوں کا اسپتالوں کے چکروں میں گذرتا تھا۔ وہیں کہیں اسے انکل شاہ بھی نظر آئے۔ بڑے بڑے چیک سائن کر کے پاپا کو دیتے ہوئے۔ وہ ان دونوں کے لیے بھی بے شمار سامان لایا کرتے تھے۔ "تمہیں بزنس کی فکر کرنے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں قمر رئیس۔ میں سب سنبھال لوں گا۔ آخر ہم تم بزنس پارٹنرز کس دن کے لیے بنے ہیں۔" پاپا ان کے ہر دم مشکور۔ ان دنوں انہوں نے اپنے کاروبار سے مکمل طور پر ناتا توڑ لیا تھا۔ کاروبار ہی کیوں، وہ تو ان دنوں ان دونوں بھائیوں سے بھی لاتعلق ہو گئے تھے۔ ممی کے سلسلے میں وہ اس قدر جذباتی تھے۔

فوراً ہی وہ چھلانگ لگا کر تیسرے دریچے پر پہنچا تو

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.com
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

وہاں موت کی خاموشی اپنے پنجے گاڑے نظر آتی۔ ممی نے ہمیشہ کے لیے آنکھیں موند لی تھیں۔ پاپا بالکل پاگل سے ہو گئے تھے۔ پہلے ہفتوں، پھر مہینوں گذرے، انہوں نے بستر پکڑ لیا تھا۔ انکل شاہ ہی ان دونوں کا۔ ان کی اسکول فیس کا اور گھر کی دوسری ضروریات کا خیال رکھ رہے تھے۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب ایک موٹا سا لمبا سا آدمی ان کی کمپنی کے وکیل کے ساتھ گھر آیا۔ یہ کاغذات سلطان احمد شاہ نے بھیجے ہیں۔ آپ اپنے حصے کی تمام رقم نہ صرف ہڑپ کر چکے ہیں بلکہ کمپنی کے اتنے مقروض ہو گئے ہیں کہ یہ گھر، کار اور آپ کا بھی بینک بیلنس سیل کر دیا گیا ہے۔ آپ کے پاس صرف چوبیس گھنٹے کا نوٹس ہے فوراً سے پیشتر سب کچھ چھوڑ کر یہاں سے نکل جائیے۔"

"یہ شخص کون ہے؟ انکل شاہ کیوں نہیں آئے؟"

اس نے فراس بھائی سے پوچھا تھا۔ مسعد کو اب بھی وہ وقت یاد تھا وہ پاپا کو غم زدہ محسوس کر کے اپنی الجھن کی نئی پوٹلی سنا رہا تھا۔

"معلوم نہیں! مگر بھیجا ہوا شاہ انکل کا ہی ہے۔ دیکھو اس کے ہاتھ میں ان کے دستخط کیے ہوئے پیپرز ہیں۔"

فراس بھائی کا جواب مکمل نہیں ہوا تھا کہ پاپا کا کاغذات کو دیکھتے دیکھتے دل کو دورہ پڑا تھا۔ اور اگلے آٹھ دس دن ان کی زندگی کے اذیت ناک دن تھے۔ اس پورے عرصے میں انکل شاہ کی صورت تک نظر نہیں آئی تھی۔ پھر ان اذیتوں میں اضافہ پاپا کے انتقال کے بعد روز بہ روز ہی ہوتا گیا۔

چوتھا درجہ تین سال کے عرصے پر محیط تھا۔ ان سے گھر چھوٹا تھا۔ اسکول چھوٹ گیا تھا، فراس بھائی نجانے کہاں کہاں پارٹ ٹائم جاب کرتے تھے تب جا کر دونوں کو دو وقت کا روکھا سوکھا نصیب ہوتا تھا۔ ڈیڈی کے بھی دوست احباب ان کی مدد سے صاف پہلو بچا گئے تھے۔ وہ انگلینڈ کے شہری تھے۔ اس لیے گورنمنٹ کی جانب سے انہیں چلڈرن ہوم میں جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ لیکن وہاں کا ماحول اتنا خراب تھا کہ فراس کا جتنا وقت کام کے بعد بچتا تھا وہ وہاں کے بدمعاش لڑکوں سے لڑنے جھگڑنے میں گذر جاتا تھا۔ وہ مسعد کو سرفی کے بچے کی طرح سب سے چھپائے چھپائے پھرتا۔ پھر تنگ آ کر دونوں نے مالک کی اجازت سے اسی موٹر گیرج میں ہی رہنا شروع کر دیا تھا۔ جس میں فراس دن بھر کام کرتا تھا۔ انکل شاہ سے ملنے کی فراس نے بار بار کوشش کی تھی لیکن ان کا سب کچھ ہتھیا کر، اس شخص نے دوبارہ شکل نہیں دکھائی تھی۔ پاپا نے خود مرتے ہوئے ان دونوں سے کہا تھا کہ وہ معمولی رقمیں تھیں جو انہوں نے قرض کے طور پر کمپنی سے لی تھیں۔ جس کے بدلے نجانے وہ کیسے ان کی کروڑوں کی جائیداد ہڑپ کر گئے تھے۔

پانچواں درجہ۔ انکی ملاقات جلال عمودی سے موٹر گیرج کے مالک کے گھر ہوئی اور باتوں باتوں میں ان دونوں بچوں کی داستان مالک نے جلال عمودی کو سنا دی۔ پھر سب کچھ بدل گیا۔ جلال عمودی قمر رئیس کے بہترین دوستوں میں سے تھے۔ اولاد سے محروم تھے یوں وہ انہیں باقاعدہ گود لے کر پہلے ممبئی آئے جہاں انہوں نے سب کو یہی بتایا کہ انہوں نے اپنے بھائی کے بچے گود لیے تھے اور اب جب کہ وہ دہلی کے نزدیک نوئیڈا علاقے میں شفٹ ہوئے تھے تو کسی کو یہ بتانے کی ضرورت بھی نہیں پڑی تھی کہ وہ گود لی اولاد تھے۔ اور اب وہ صرف اور صرف جلال عمودی کی جائیداد کے اکلوتے وارث تھے۔ پھر جب اسے اللہ نے مزید تعلیم کے لیے دوبارہ لندن بھیجا تو اس نے دیوانہ وار انکل شاہ کو ڈھونڈا تھا اگر وہ اسے مل جاتے تو پاپا کی جائیداد کا حساب کتاب تو ضرور ہی کرتا اور بھی نجانے کیا کچھ ان کے ساتھ کرنے کو دل چاہتا تھا۔ مگر تب تک معلوم ہوا تھا کہ سارا بزنس سمیٹ کر وہ کب کے انڈیا لوٹ گئے تھے۔ اور اب تو وہ انہیں بھول بھال ہی چکا تھا کچھ اتنا کہ سفینہ کے والد کی حیثیت سے وہ اسے ملے بھی تو وہ انہیں پہچان ہی نہ سکا۔

اس شخص کو ایسی زک ضرور پہنچانی تھی کہ وہ ساری زندگی ان دونوں کے ساتھ کیے گئے سلوک کو یاد کر کے پچھتاتا رہے۔ نئے سرے سے غم و غصہ اس کے وجود میں آگ کی طرح دوڑنے لگا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا پھر بالکونی میں کھل رہی کھڑکی سے باہر جھانکا تھا۔ صبح کا اجالا آسمان سے اترنے کے لیے بے قرار نظر آیا جب کہ رات کی تاریکی ابھی تک ہٹیلے انداز میں اس کا راستہ روکے کھڑی تھی۔ یہ سورج یوں تو اپنے اندر دنیا کو چکا چوند کر

(شاعری سے انتخاب)

امجد اسلام امجد

پلکوں کی دہلیز پہ چمکا ایک ستارا تھا
ساحل کی اس بھیڑ میں جانے کون ہمارا تھا
کہساروں کی گونج کی صورت پھیل گیا ہے وہ
میں نے اپنے آپ میں چھپ کر جسے پکارا تھا
سر سے گزری ہر اک موج کو ایسے دیکھتے ہیں
جیسے اس گرداب فنا میں یہی سہارا تھا
ہجر کی شب وہ نیلی آنکھیں اور بھی نیلی تھیں
جیسے اس نے اپنے سر سے بوجھ اتارا تھا
جس کی جھلملاتی میں تم نے، مجھ کو قتل کیا
پت جھڑ کی اس رات وہ سب سے روشن تارا تھا
ترک وفا کے بعد ملا تو، جب معلوم ہوا
اس میں کتنے رنگ تھے اس کے، کون ہمارا تھا
کون کہاں پر جھوٹا نکلا! کیا لا ہلاتے ہم
دنیا کی تفریح تھی اس میں، ہمیں خسارا تھا
جو منزل بھی راہ میں آئی، دل کا بوجھ بنی
وہ اس کی تعبیر نہ تھی جو خواب ہمارا تھا
کیسی آواز ہے جس کی زندہ گونج ہوں میں
صبح ازل میں کس نے امجد مجھے پکارا تھا

☆☆☆

خود اپنے لیے بیٹھ کے سوچیں گے کسی دن
یوں ہے کہ تجھے بھول کے دیکھیں گے کسی دن
بھٹکے ہوئے پھرتے ہیں کئی لفظ جو دل میں
دنیا نے دیا وقت تو لکھیں گے کسی دن
آپس کی کسی بات کا ملتا ہی نہیں وقت
ہر بار یہ کہتے ہیں کہ 'بیٹھیں گے کسی دن'
خوشبو سے بھری شام میں جگنو کے قلم سے
اک نظم ترے واسطے لکھیں گے کسی دن
صحرائے خرابی کی اسی گرد سفر سے
پھولوں سے بھرے راستے نکلیں گے کسی دن
خوشبو کی طرح، مثل صبا، خواب نما سے
گلیوں سے ترے شہر کی گزریں گے کسی دن
امجد ہے یہی اب کہ کفن باندھ کے سر پر
اس شہر ستم گار میں جائیں گے کسی دن

☆☆☆

شمار گردش لیل و نہار کرتے ہوئے
گزر چلی ہے ترا انتظار کرتے ہوئے
خدا گواہ، وہ آسودگی نہیں پائی
تمہارے بعد کسی سے بھی پیار کرتے ہوئے
ازل سے یونہی چلی آ رہی ہے یہ دنیا
اسے نہال، اسے بے قرار کرتے ہوئے
تمام اہل سفر ایک سے نہیں ہوتے
کھلا یہ وقت کے دریا کو پار کرتے ہوئے
کہیں چھپائے مرے سامنے کے سب منظر
مجھے، مجھی پہ کبھی آشکار کرتے ہوئے
کسے خبر ہے کہ اہل چمن پہ کیا گزری!
خزاں کی شام کو صبح بہار کرتے ہوئے
ہوس کی اور لغت ہے، وفا کی اور زباں
یہ راز ہم پہ کھلا، انتظار کرتے ہوئے
جو ہو سکے تو کبھی میر جی سے یہ پوچھیں
یہ جان ان کی غزل پر نثار کرتے ہوئے
ہمارے بس میں کوئی فیصلہ تھا کب امجد
جنوں کو چنتے، وفا اختیار کرتے ہوئے!

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.be
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

دینے والی شعاعیں رکھتا ہے اور آج ایک معمولی رات کو فکست نہیں دے پا رہا۔ وہ جھنجلایا سا واپس آیا تو بے سدھ سوتی سفینہ پر نظر پڑی تھی۔ اس نے لباس تبدیل نہیں کیا تھا صرف زیورات اتار کر بیڈ کی ایک سائیڈ پر رکھ دیے تھے۔ چھوٹی سی شرٹ کو بے خبری کی نیند نے کمر سے کافی اوپر سرکا دیا تھا۔ ٹائٹ سلک والا شرارہ اس کی سڈول ٹانگوں کو چھپانے میں ناکام تھا۔ وہ چاہنے کے باوجود انتہائی غصہ کے باوجود بھی اس ہوشربا حسن سے نظریں نہ ہٹا سکا۔

بدلے کا سب سے بہترین طریقہ تو یہی ہے کہ سلطان احمد شاہ کی بیٹی کو برباد کر کے باپ کے حوالے کر دیا جائے۔ بیٹی ساری زندگی تڑپے گی تو باپ کا دل ہر دم مر جانے کو چاہتا رہے گا۔

اس کے ذہن پر اچانک شیطان قابض ہو گیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ اس کے گلاب وجود پر جھکتا چلا گیا۔ وہ ذرا گھبرائی تھی، کسمسائی تھی، پھر اس کی بانہوں کے دائرے میں قید ہو گئی تھی۔

☆☆☆

طریقہ یہ نکالا ہے ان سے اظہار شکایت کا
لبوں کو کی کے چشم شوق میں رکھ دی زبان میں نے
محفل زعفران زار بنی ہوئی تھی۔ ڈنر سے فارغ ہو کر سب دلہن کے پاس سٹ آئے تھے۔ حالانکہ ولیمے کی تقریب میں خاص خاص لوگوں کو ہی مدعو کیا گیا تھا پھر بھی اچھی خاصی رونق ہو گئی تھی۔ وہ پنک کلر کا شرارہ سوٹ جس پر مہندی رنگ کے بارڈر پر آزردوزی کا کام بنا تھا پہنے ہوئی تھی۔ سلطان احمد شاہ کتنی بار اس کے سر پر ہاتھ رکھ چکے تھے اور وہ مسکراہٹ کی کرنیں بکھیرتی ان کے شانے پر سر رکھ چکی تھی۔

بہت خوش نظر آ رہی تھی آج یہ شخص۔ اس کی تو نس نس سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی اسے۔ مگر فراس بھائی نے سارا معاملہ خراب کر دیا۔ بس اس سے یہی غلطی ہو گئی تھی سارے جوش و جذبات کے وہ فراس بھائی سے اس وقت تذکرہ کر بیٹھا جب وہ اور اسمیٰ بھابی دونوں کو ولیمے کے لیے تیار کر کے گھر لانے کے لیے پہنچے تھے۔

"اس کے باپ کو فون کر کے بلاؤ اور دفع کرو یہاں سے۔" وہ اتنی نفرت سے کہہ رہا تھا کہ بچارے فراس اس کی صورت ہی تکتے رہ گئے۔ "میں اپنے دل میں اس کے باپ کی بے ایمانی کا تیر ترازو کیے سفینہ کے ساتھ زندگی نہیں گذار سکتا۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ ایسا کچھ نہیں کرو گے تم۔ ورنہ پھر مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔ باپ کا بدلہ بیٹی سے لینا نہایت گری ہوئی حرکت ہے۔ تمہیں صرف ہوشیار رہنے کی تاکید کی تھی میں نے۔ زیادہ سے زیادہ اپنے سسر سے واسطہ ہی نہ رکھنا۔ اس کی جائیداد پر ہی لعنت بھیجو۔"

"جائیداد!" اس کے دماغ کے آسمان پر بجلی سی چمکی تھی۔ "ہاں! یہ بھی طریقہ بہترین ہے۔ جائیداد کے بدلے جائیداد۔ تھوڑی نہ بہت، ساری کی ساری۔ بس یہی چھین لی جائے اس شخص سے۔ اس کے لیے تو اس شخص نے بابا سے برسوں پرانے تعلقات توڑ کر غداری کی تھی۔ مگر کس طرح؟"

آہستہ آہستہ مہمان رخصت ہونے لگے۔ وہ تھک کر چور ہو گیا تھا۔ فراس بھائی نے ایک لمحہ کے لیے بھی اسے تنہا نہ چھوڑا تھا۔ فوٹو کھنچواتے وقت، مختلف رسمیں نبھاتے وقت، ان کی نظریں بس مسعد کے وجود پر ہی گڑی تھیں۔

"ہنستے مسکراتے نظر آؤ۔ اگر چہرہ تمہاری ہر اندرونی کیفیت کا اظہار کرنے لگے تو پھر تمہاری قوت ارادی کیا ہوئی۔" یوں خوش مزاجی کا مظاہرہ کرتے اس کا منہ تک دکھنے لگا تھا۔ اب بھی سفینہ کا لمبا چوڑا گروپ رخصت ہونے کو تیار نہیں تھا۔ وہ سب اس کے کمرے میں سفینہ کے ساتھ ڈیرا ڈالے بیٹھی تھیں۔ وہ بنا لباس تبدیل کیے لان کی سمت نکل لیا۔ ٹھنڈی ہواؤں اور مست خوشبوؤں کے درمیان گل مہر کے درخت کے نیچے لیٹنا بڑا سکون بخش لگ رہا تھا۔ اوپر آسمان کے سمندر پر چاند کی کشتی رواں دواں تھی۔ درمیان میں آوارہ بادل جھوم جھوم کر آ کھڑے ہوتے۔ مگر وہ بغیر رکے، بغیر ہچکچائے تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اسے بھی اپنے مقاصد کی کشتی کو یونہی لے کر آگے بڑھنا تھا۔ وہ تیزی سے آئندہ کے لیے لائحہ عمل تیار کرنے لگا۔ نجانے کتنا وقت گذرا تھا جب

اسمیٰ بھابی اسے ڈھونڈتی ہوئی وہاں چلی آئیں۔

"حد ہو گئی لاپروائی کی۔" وہ آتے ہی اس پر برس پڑیں۔ "یہ تم پہلی رات کے دولہا نہیں ہو کہ تمہیں کمرے میں کوئی پہنچا کر آئے گا۔ تمہاری دولہن نے پریشان ہو کر اس وقت میرا دروازہ کھٹکھٹایا ہے۔ کتنی مشکل سے سبھی کاموں سے فراغت پا کر آنکھ لگی تھی۔ یہ تمہیں اس وقت یہاں ہونا چاہیے یا اپنے کمرے میں۔" وہ اچھے خاصے خراب موڈ میں تھیں۔ مسعد جانتا تھا کہ بے وقت جگایا جانا انہیں سخت طیش دلا دیا کرتا تھا۔

"سوری بھابی! آپ کی سبھی دوستیں میرے کمرے میں تھیں اور آپا ماں ملازموں کو جمع کیے سارے کمرے صاف کرا رہی تھیں۔ تو میں تنہائی کی تلاش میں یہاں آ کر لیٹ گیا۔ وقت گذرنے کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔ حیرت ہے کہ رات کے تین بج گئے۔ شاید میری آنکھ لگ گئی تھی۔" وہ اسمیٰ بھابی کے موڈ کے پیش نظر تفصیل سے صفائیاں دے رہا تھا۔ یوں بھی فراس بھائی نے دھمکی دے ڈالی تھی کہ ان سب باتوں کی بھنک اسمیٰ کو نہ پڑ جائے۔ دیورانی جٹھانی کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار ہی رہنے چاہئیں۔

"ٹھیک ہے، اب جا کر سفینہ کو سنبھالو۔ اطراف کے سارے ہوسپٹل کو فون کر کے تمہارے بارے میں معلوم کر رہی تھی۔ کسی ملازم نے اس سے کہہ دیا تھا کہ تم کار لے کر باہر نکل گئے ہو۔ جاؤ! دیکھو اب کہیں رشتے داروں کو فون کر کے شروع نہ کر دے۔" وہ قدرے نارمل ہوتی ہوئی واپس اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

"ہوسپٹل میں کیوں؟ مردہ خانوں میں تلاش کراتی کیونکہ اس سے شادی کر کے زندہ درگور تو ہو ہی گیا ہوں میں۔" وہ بھنایا ہوا اپنے کمرے میں واپس آیا تھا۔ پچھلے دو دنوں میں غالباً اس کے کمرے کی سیٹنگ نئے سرے سے کی گئی تھی۔ نیا بیڈ روم سیٹ، نئے پردے، نئے میچنگ کارپٹ۔ نجانے یہ سارا سامان سلطان احمد شاہ کی طرف سے آیا تھا یا اسمیٰ بھابی نے شادی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ تبدیلیاں کرائی تھیں۔ اسے تو صرف سلطان احمد شاہ کی دی ہوئی اس خطیر رقم کے چیک کا علم تھا۔ جسے فراس بھائی نے فی الحال بینک میں جمع کرا دیا تھا اور بعد میں اسے واپس کرنے کا مشورہ دے رہے تھے۔

وہ خاصا غصے میں تھا اور سفینہ کو اچھی طرح ڈانٹنے کے موڈ میں تھا مگر وہ اتنی تیزی سے اس کی جانب لپکی تھی اور اسے کچھ کہنے کا موقعہ دیے بغیر سینے سے لگ گئی تھی۔ دوسرے ہی پل وہ زور و شور سے رو رہی تھی۔ وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔

سفینہ کے لیے وہ شخص اپنا ہوتے ہوئے بھی اجنبی سا تھا۔ ایک بند کتاب کی مانند۔ کاش کہ وہ اس کی سوچوں تک رسائی پا سکتی۔ وہ پہروں اس کے بارے میں سوچتی رہی تھی ہر دم اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ کسی گہری ندی میں ڈوب رہی ہو، ابھر رہی ہو۔

فکریں بھنوری بنائی اس کے اطراف پھیلی رہتیں۔

زندگی

☆ زندگی ایک ایسا اسٹیج ہے، جہاں انسان پہلی سیڑھی پر ہی ڈگمگا جاتا ہے۔

☆ زندگی کے دکھ ہی تو انسان کو انسان بناتے ہیں۔

☆ زندگی ایک شمع کی مانند ہے، جو ہوا میں رکھی گئی ہے۔

☆ زندگی بغیر عمل اور عقل کے حیوانیت ہے۔

☆ زندگی کا بہترین معلم تجربہ ہے۔

☆ زندگی کا حقدار وہ ہے جو مصیبتیں اٹھائے۔

☆ زندگی محبت کی تکمیل کا ایک زینہ ہے۔

☆ زندگی ایک پھول ہے، جو اپنی خوبصورتی کیلئے کانٹوں کا سہارا لیتا ہے۔

☆ زندگی ایک ایسا ہیرا ہے، جسے تراشنا انسان کا کام ہے۔

(سمیرا نادر، بارہ بنکی)

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.be
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

وہ شادی سے پہلے بھی ہر دم مختلف محسوس ہوا تھا۔ کبھی عام سا نظر آتا ہوا، کبھی چھا جانے والے انداز لیے ایک دم خاص بن جاتا۔ کبھی لاپروا سا تو کبھی نوازشوں اور کرم کی بارش کرتا ہوا۔ وہ پل پل رنگ بدلتا تھا اس کے باوجود اس نے اپنا دل اپنی زندگی اس کے نام کردی تھی۔ سوچا تھا کہ زیادہ نزدیکی اور ہر وقت کی قربت اس کے ہر رنگ کو آشکارہ کردے گی۔ مگر اس نے تو شادی کے پہلے دن سے بہت سے دن گزرنے کے بعد تک اسے مسلسل حیران و پریشان اور چونکانے کا جو سلسلہ جاری کیا تھا تو وہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

اس سے کم سے کم بات کرنے میں ہی سفینہ نے اپنی عافیت محسوس کرلی تھی۔ کچھ زیادہ پوچھنے کی صورت میں وہ بم کی طرح بلاسٹ ہو جاتا تھا۔ سفینہ کی نجانے کون کون سی باتیں اسے اچانک یاد آجاتی تھیں جو اسے سخت ناپسند تھیں اور جنہیں وہ نظر انداز کرنے کا اصول اپنائے بیٹھا تھا۔ پھر اچانک ہی ان سب پر اصلاح کا پروگرام شروع ہو جاتا اور تب تک وہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا جب تک وہ روہانسی ہو کر زور و شور سے رونے نہ لگ جاتی۔

ہنی مون پر جانے سے اس نے صاف انکار کردیا تھا۔ میں آدھے سے زیادہ دنیا گھوم چکا ہوں۔ اب تو سبھی ممالک اور مقامات میں مجھے یکسانیت محسوس ہونے لگی ہے۔ اور جہاں تک ہم دونوں کو تنہائی ملنے کا سوال ہے تو یہاں کون بیٹھا ہے ہمیں ڈسٹرب کرنے کے لیے۔ ان دونوں کو کہیں نہ جانا دیکھ کر دعوتوں کا سلسلہ شروع کرنے کا پروگرام بنایا گیا تو اس نے یہ کہہ کر سب سے معذرت کرلی کہ وہ سفینہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کا متمنی ہے اور روزانہ اتنی رچ ڈائٹ (مرغن کھانے) لے کر وزن نہیں بڑھا سکتا۔ کسی کامل وجود کی طرح وہ کمرے میں پڑا رہتا۔ سوچوں کا لامتناہی سلسلہ تھا جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ کبھی کبھی بے حد مستقل نظر آنے لگتا۔ کبھی اچانک تھکا ہوا۔ پژمردہ سا۔ تب وہ بہت سی اشیا جمع کرکے اس کے سینے پر اپنا سر ٹکا دیتی۔ جواب میں وہ بھی کچھ کہے بغیر اسے سمیٹ لیتا تھا۔ سفینہ نے چاہا تھا کہ اس سے ڈھیروں باتیں کرے، اس کی ساری دماغی الجھنیں کھینچ کر اسے ہلکا پھلکا کردے۔ بہتیری وہ قوتیں بیدار کرتی، اہمیتیں جتاتی مگر شاید خود اعتمادی کا فقدان ہی تھا اس میں۔ جبھی مسعد کے سامنے آتے ہی الفاظ چھن چھن کر کے بکھر جاتے۔ جمع زنجیریں ٹوٹ جاتیں اور ربط ساتھ چھوڑ جاتا۔ ذہن ایک دم خالی خالی ہو جاتا۔

آخر کار اس نے اسی بھائی کو پکڑا تھا۔

"شادی سے پہلے لفظ لفظ جانتی تھا اب بولنا بھول گیے ہیں۔ نجانے کیا سوچ ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔"

"ارے چھوڑو بھئی! یہ دونوں بھائی ایسے ہی ہیں موڈی سے۔ دل چاہے گا گھنٹوں بات کریں گے ورنہ تم انہیں بلوانے کی کوشش میں ہلکان ہو جاؤ گی۔ اور جہاں تک سوچ کا تعلق ہے تو میرا خیال ہے نئے بزنس اسٹارٹ کرنے کے بارے میں فکرمند ہوگا۔ ظاہر ہے کہ بہت محنت اور وقت لگے گا اسے۔ اس فیلڈ میں بہت کمپٹیشن ہے۔ اور شادی سے پہلے کی بات ہی نہ کرو۔ [illegible] تھا اس لیے ڈائیلاگ بولے جاتے ہوں گے اب کیا ضرورت ہے [illegible] ڈائیلاگ کی۔" بھابی اتنی معنی خیز انداز میں [illegible] ہوئی تھی۔

"اور سنو! تمہارا اس کے دل میں ایک منفرد اور اہم مقام ہے جو کسی طور کم ہو ہی نہیں سکتا۔ تم سے اس کی دیوانگی کی گواہ میں خود ہوں۔ اس طرف سے قطعی بے فکر رہو۔ تھوڑا وقت دو اسے۔ یہ رشتے گھنگھور بادل کی طرح نہیں ہیں کہ پہلے ایک سمت برسے اور پھر کہیں اور اڑ گئے۔ یہ محبتیں تو چاند کی طرح ہوتی ہیں گھٹتی ہیں بڑھتی ہیں لیکن کبھی فنا نہیں ہوتیں۔" پھر اس نے مسعد کے انہیں انداز سے پیار کرنا شروع کردیا تھا۔ اسے اپنا سرکش، غصہ در محبوب ازحد پیارا تھا۔ اس کے یہ طور طریقے کچھ ایسے برے بھی نہ لگتے تھے۔ صرف یہ تصور ہی اسے تمام دن شاداں رکھتا تھا کہ وہ صرف اس کا ہے۔

اور اب تو مسعد نے فراس بھیا کے ساتھ آفس بھی جانا شروع کردیا تھا۔ وہ مزید تنہا ہوئی تو اس نے اسی بھابی کی روش اپنالی۔ لیکن کچھ گھنٹے وہ کچن کو ضرور دیتی تھی اور روز ڈنر کے لیے کم از کم ایک ڈش تو ضرور بناتی تھی

بس کا زور و شور سے اعلان کھانے کی ٹیبل پر اسی بھابی ضرور کرتی تھیں۔ فراس بھائی کھانے کی تعریف کردیا کرتے تھے مگر وہ یہاں بھی خاموشی اختیار کر جاتا تھا۔ اور جب وہ ان سب باتوں کی تھوڑی تھوڑی عادی ہو چلی تھی تو ڈیڈی کے فون نے ان کی زندگی میں پھر سے ہلچل سی مچادی۔

☆☆☆

محبت نہ رہے تو پھر رہا کچھ بھی نہیں کرتا
کہ تیز آندھیوں میں بچا کچھ بھی نہیں کرتا
وہ پھر مجھ سے رہتا ہے خفا اکثر نجانے کیوں
میں جس کو دیکھتے رہنے کے سوا کچھ بھی نہیں کرتا

مسعد نے پالم پور کے دھرم شالہ ایئرپورٹ پر قدم رکھا تھا۔ دہلی سے ڈومیسٹک فلائٹ لینے میں صرف تین ہی آتی تھیں۔ ٹیکسی اسٹینڈ نزدیک ہی تھا اور ٹیکسی ڈرائیور مسافروں کو لے جانے کے لیے تیار۔ مگر اسے ان سب کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ شوفر کی چمکتی ہوئی وردی پہنے ہوئے ایک شخص نے آگے بڑھ کر نہایت مودب انداز میں اپنا تعارف کرایا تھا۔ "مجھے شاہ صاحب نے بھیجا ہے آپ کو لینے کے لیے۔ آپ مسعد عمودی ہی ہیں نا؟"

تب وہ سامان اس کے حوالے کرکے جیپ میں آبیٹھا تھا۔ بڑا پرفضا علاقہ تھا۔ طویل ترین ہمالیہ پہاڑ سڑک کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ جس کا درمیانی حصہ برف سے ڈھکا تھا البتہ اوپری چوٹی برفیلے لباس سے آزاد ہو کر سورج کی شعاعوں میں نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ سڑک کی دونوں طرف [illegible] سرسبز گھاس، ننھے ننھے خودرو پھولوں والے پودوں سے [illegible] تھی۔ اسے چائے کے ڈھلواں دار کھیت بھی نظر آئے۔ دیودار کے تکونے درختوں کے پیچھے اسے کچھ مندروں کی نوکیلی برجیاں بھی دور سے نظر آرہی تھیں۔ ہر چیز دھلی ہوئی۔ نکھری سی اسے مسکرا کر سلام کرتی محسوس ہوئی۔ مسعد کا موڈ قدرے فریش ہوگیا۔

"تین دن سے لگاتار بارش ہو رہی تھی صاحب۔ آج تو سورج نکلا ہے۔" ڈرائیور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ناچتے سورج پر نظریں جما کر بولا۔

"یہ ہمالیہ کا پہاڑی سلسلہ ہے غالباً۔" مسعد نے

عزل

تحسین سیما، حیدرآباد

حال غم دل نے زبانی سے بیاں ہونے نہ دیا
اشک امنڈے بھی تو پلکوں نے پرونے نہ دیا
پوچھتا جب بھی کوئی مجھ سے میرے غم کا سبب
میرے احساس نے اظہار پہ ہونے نہ دیا
کیا بتائیں تمہیں کس درجہ جگر پھوڑا ہے
یار نے نشتر تدبیر چبھونے نہ دیا
کھنچ گئی ایک اک حسرت پہ مقدر کی لکیر
ان لکیروں نے کوئی فیصلہ ہونے نہ دیا
ہے وفا ایک عبادت اسے ہم جانتے ہیں
فرض یہ بھی ادا حالات نے ہونے نہ دیا
غم کے کچھ راستے طے کر لیے ہنستے ہنستے
دل نے آسودۂ منزل ہمیں ہونے نہ دیا
لکھنے بیٹھی تھی میں سیما جو کہانی دل کی
لاج نے مجھ کو قلم خوں میں ڈبونے نہ دیا

انداز ولگا تھا۔

"آپ نے درست سمجھا۔ یہ کشمیر سے شروع ہو کر [illegible] تک جا پہنچا ہے۔ درمیان میں یہ ہمارا ہماچل پردیش کا [illegible]"

تیز بارش میں سفینہ نجانے کیسے پہنچی ہوگی۔ کل شام ہی تو وہ ہیلی کوپٹر کے ذریعہ پالم پور کے لیے نکلی تھی۔ مسعد کا ذہن بھٹک کر سفینہ کی طرف چلا گیا۔ یہ اس کی خود کی تجویز تھی کہ دونوں کو ساتھ ساتھ سفر نہیں کرنا چاہیے۔ سفینہ کو ہیلی کوپٹر کے ذریعے بھیج کر اس نے پالم پور کے اس علاقہ دھرم شالہ کے لیے فلائٹ بک کرائی تھی جو موسم کی خرابی کے باعث کل کے بجائے آج اڑان بھر پائی تھی۔

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.be
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

"شاہ صاحب نے یہ موبائیل آپ کو دینے کے لیے کہا تھا۔ اس میں انکا نمبر فیڈ ہے آپ ان سے خود ہی بات کرلیں۔ ڈرائیور نے ڈیش بورڈ سے ایک نیا نوکیا کا کیمرہ موبائیل نکال کر اسے دیا تھا۔ اسے اس کی ضرورت بھی محسوس ہو رہی تھی اپنا سیل وہ جان بوجھ کر چھوڑ آیا تھا۔ علاقے کی تبدیلی کے ساتھ وہ کچھ دنوں کے لیے تو بیکار اور معطل ہی ہو جاتا تھا۔

"یس! میں اس وقت جیپ میں ہوں۔ سفر بخیریت رہا۔" مسعد نے میموری سے ان کا نمبر نکال کر سلطان احمد شاہ سے رابطہ قائم کیا تھا۔

"تمہارے ٹھہرنے کا انتظام گیسٹ ہاؤس میں کر دیا ہے۔ فی الحال ہر شخص سے محتاط رہو۔ نجانے کون دشمنوں کا ساتھی نکلے۔ اور ہاں سفنہ سے گیسٹ ہاؤس پہنچتے ہی رابطہ کر لینا۔ وہ ہم سب کے ساتھ ہماری آبائی کوٹھی میں ہے۔ اس وقت تمہاری آمد سے دل کو بے حد سکون ملا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ نے ہی یہ موقعہ دیا ہے مجھے اپنے مخالفین کو شکست دینے کا۔ باقی گیسٹ ہاؤس پہنچ کر تفصیلی گفتگو ہیں ہوگی۔"

"موقعہ نجانے کس کو ملا ہے تمہیں یا مجھے؟" فون آف کرتے ہوئے وہ سامنے آسمان پر اڑتے کبوتروں اور چکر (لمبی چونچ والی چڑیا) کو دیکھنے لگا۔

آدھے گھنٹے کے اس راستے میں کئی ندیاں آئیں۔ صاف ستھرے پانی سے لبالب بھری ہوئیں چوڑے پاٹ کے کنویں کی شکل میں نجانے کتنے ہی چشمے راستے میں ملے۔ راستہ خطرناک تھا سڑک کہیں سے چوڑی ہو جاتی تو کہیں گھومتی ہوئی پتلی سی شکل اختیار کر لیتی۔ وہ لوگ اوپر کی سمت سفر کر رہے تھے پھر بہت سے باغات نظر آنے لگے۔ سیب، آم، آڑو، لیمن، بادام کے درختوں کو وہ بآسانی پہچان گیا لیکن چیکی، اخروٹ، خوبانی اور شہتوت کے درختوں کے بارے میں ڈرائیور نے اسے بتایا تھا۔

"بس ابھی ابھی آموں اور لیچی کی آخری فصل توڑی گئی ہے۔ آپ چشموں کا پانی پئیں گے صاحب! بہت ہی میٹھا اور ہاضم ہوتا ہے۔" ڈرائیور نے خاصے اشتیاق سے پوچھا تھا۔

"نہیں! فی الحال تم گیسٹ ہاؤس چلو۔ اب تو کچھ دن یہیں رہنا ہے۔" آرام سے پی لیں گے۔ مسعد کو وہ سارے حالات معلوم کرنے کی جلدی تھی جن کے تحت سلطان احمد شاہ نے اسے یہاں بلایا تھا۔ وہ کل صبح ان کے آئے فون کے ایک ایک لفظ پر پھر سے غور کرنے لگا۔

سلطان احمد شاہ سفنہ سے روزانہ ہی مفصل گفتگو کرتے رہتے تھے۔ مگر کل اسے بھی بلا بھیجا تھا۔ اس نے خاصی بدتمیزی سے سلام کیا تھا۔ وہ شاید کچھ زیادہ ہی ٹینشن میں تھے یا جلدی میں تھے کہ محسوس نہ کر سکے۔

"بیٹا! میرے اردگرد بہت سی الجھنیں اور مسائل ہیں، اتنا مجبور ہوں میں کہ ابھی تک تم دونوں کی شادی تک کو ڈکلیئر نہ کر سکا۔ اس وقت خدا نے مجھے ایک سنہری موقعہ دیا ہے۔ ان ساری مشکلات سے نکلنے کا۔ مگر میں اکیلا کچھ بھی کرنے سے قاصر ہوں۔ مجھے ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہے۔ خدا نے بیٹے کی شکل میں تمہیں بھیجا ہے۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ تم فوری پاکستان آجاؤ۔ سفنہ کو بھی لیتے آؤ۔ اس کے اتنے دن کی غیر حاضری لوگوں کو مشکوک کر رہی ہے۔ یہاں سب کو یہی بتایا گیا ہے کہ ہنیمون ڈیزائن کے کچھ کورسز کر رہی ہے مگر ایک آدھ بار تو اسے آنا ہی چاہیے۔"

مسعد کے دماغ میں جھٹ ایک بلب جلا تھا جس نے اچانک اس کے بدلہ لینے کی اسکیم کو مکمل اور روشن کر دیا تھا۔ یہی بہترین وقت تھا جب وہ ان کے نزدیک ہو کر اس کی کمزوریوں سے واقف ہو سکتا تھا اور اگر ایک بار کسی کی خامیاں ہاتھ آجائیں تو اسے شکست دینا آسان ہو جاتا ہے۔ اس کا ہر دم سوچتا منصوبے بناتا دماغ جیسے پل میں سکون پا گیا۔

"مجھے کوئی آبجیکشن (اعتراض) نہیں۔ مگر کیا ہم دونوں کا ایک ساتھ آنا مناسب ہوگا؟" مسعد کے ہی احساس دلانے پر سلطان احمد شاہ نے سفنہ کے لیے ہیلی کوپٹر بھیج دیا تھا اور اس نے نزدیکی فلائیٹ پکڑی تھی۔ وہ سوچوں میں غلطاں ہی رہتا اگر جیپ گیسٹ ہاؤس کے سامنے نہ رک جاتی۔ لال رنگ کی سلوپنگ چھت والے یہ کاٹیج جدید ڈیزائن کے تھے بلکہ اسے یہاں زیادہ تر گھر ایسے ہی نظر آئے۔ اندر سمری لیڈی، مس میری سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہی اس کیسٹ روم کی انچارج تھیں۔ کمرہ بڑا آرام دہ تھا۔ ہیٹر آن تھا گرم گرم کھانا تیار۔ نہانے دھونے اور کھانے کے دوران بھی وہ مسلسل یہی سوچتا رہا کہ آخر سلطان احمد شاہ کو کیا الجھنیں درپیش ہوئی جن کو حل کرنے کے لیے انہیں مسعد کی ضرورت آپڑی۔ پھر فراس بھائی کو خیریت سے پہنچنے کی اطلاع دی ہی تھی کہ مس میری آگئیں۔

"آپ کا فون۔ شاہ صاحب آپ سے گفتگو کرنا چاہ رہے ہیں۔"

"اصلی بات تمہاری سمجھ میں تبھی آئے گی جب تم شروع سے تمام حالات کو گہرائی میں جا کر سمجھو گے۔" مسعد نے اندر کمرے میں آکر ریسیور اٹھایا ہی تھا اور معاملے کی نوعیت دریافت کی ہی تھی کہ دوا اصلی مدعا پر آگئے۔

"ہمارے دادا نے اس پوری جائیداد کو دو حصوں میں بانٹ دیا تھا سیب کی فیکٹری اور چائے کی فیکٹری ہمارے تایا حیدر شاہ کے نام اور چائے کے باغات اور دوسری زمینیں ہمارے والد ظفر شاہ کے نام کر دیں۔ ایک طرح سے انہوں نے دونوں کو ہمیشہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کر دیا تھا۔ کھیتوں سے چائے کی پتیاں توڑ کر فیکٹری ہی جاتی ہیں اور باغوں کے پھلوں کا بھی کافی بڑا حصہ جوس نکالنے کے لیے سیب کی فیکٹری جاتا تھا۔ لیکن تایا کی حرکتیں سخت ناپسندیدہ تھیں۔ وہ کام کی جگہ پر عشرت میں ڈوبے رہنا اڑ پیسوں کو موج مستی میں اڑانا ضروری خیال کرتے تھے۔ ادھر والد نے انکا حشر دیکھ کر اپنی الگ چائے کی فیکٹری بنالی۔ چیزوں کو بھی وہ سیدھے ملک کے مختلف حصوں میں درآمد کرنے لگے۔ چائے کی پتیوں کو بھی وہ گورنمنٹ کی کوآپریٹو سوسائٹی والی فیکٹری میں فروخت کرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے والد صاحب نے دن دونی رات چوگنی ترقی کر لی۔ اور تایا کی دونوں فیکٹریاں بند ہو گئیں۔ پیلائی چڑھی تو والد صاحب نے کچھ تو تایا کی درخواست پر اور کچھ خاندانی عزت کے خیال سے انہیں خود ہی خرید لیا۔ اور یوں یہ پوری جائیداد ہمارے والد ظفر شاہ کے نام ہو گئی۔ تایا کی دو اولادیں تھیں۔ بڑی بیٹی بلقیس شاہ اور اس سے چھوٹا احسان شاہ۔ ادھر میں اکیلا ہی اپنے والد کی اولاد۔ میری زندگی کی ہم سفر بلقیس شاہ کو بنایا گیا۔ نجانے کیا سوچ کر

غزل

تعزیر بستوی، گاندھی نگر

گھر ہے اس کا میرے گھر کے سامنے
کم وہ پڑتا ہے نظر کے سامنے
کھڑکیاں اس کی مہذب ہیں بہت
جو مکاں ہے میرے گھر کے سامنے
دل لگے کا بزم میں اتنی ہی دیر
جب تلک تم ہو نظر کے سامنے
آج کے اس دور میں ممکن نہیں
عیب کا جھکنا ہنر کے سامنے
اک بھکاری میری صورت دھار کے
کیوں کھڑا ہے میرے در کے سامنے
چلچلاتی دھوپ ہو کہ آندھیاں
کچھ نہیں عزم سفر کے سامنے

یہ فیصلہ کیا گیا تھا حالانکہ بلقیس شاہ مجھ سے پورے دس سال بڑی تھیں۔ میں اس کے لیے قطعی طور پر راضی نہ تھا مگر مجھے زبردستی تیار کیا گیا۔ تایا کی نظر میں تو یہ شادی یہ ساری جائیداد ہی ہو گئی مگر ہمارے والد کس لیے راضی ہو گئے؟ یہ بات کافی دنوں تک میرے لیے غور طلب رہی۔ شاید اس کی وجہ بھائی سے شدید محبت ہو یا پھر ہمارا یہ آبائی گھر جسے جو شادی کی صورت میں تایا نے بلقیس شاہ کے نام کرنے کا وعدہ کر لیا تھا حالانکہ ان کے بیٹے احسان شاہ کو جائیداد کے نام پر کچھ بھی نہ ملا تھا مگر اس کے باوجود وہ دونوں باپ بیٹے ہمیشہ فائدے میں رہے۔ بلقیس شاہ کے ذریعے انہوں نے اپنی بقیہ زندگی نہایت عیش و عشرت سے بسر کی۔ احسان شاہ کو میری ساری جائیداد کا متولی بنا دیا گیا۔ اس نے ساری زندگی دونوں ہاتھوں سے پیسہ بٹورا اور اڑایا اور میں

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.be
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

خاموش تماشائی بننے پر مجبور رہا۔ پھر جب والد صاحب کا ساتھ بھی چھوٹ گیا تو میں بددل ہو کر انگلینڈ میں کئی سالوں کے لیے سیٹ ہو گیا۔ ادھر احسان شاہ یہاں پر سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ پھر وہاں بھی حالات کچھ ایسی شکل اختیار کر گئے کہ مجھے واپس لوٹنا پڑا۔ سارا بزنس بھی وائنڈ اپ کرنا پڑا اور ایک بار پھر یہاں کے حالات سے نمٹنے کا بیڑا اٹھایا۔ کچھ سالوں بعد تایا حیدر شاہ کا انتقال ہو گیا اور احسان شاہ کی ایک ٹانگ کسی حادثے میں ٹوٹ گئی۔ نتیجتاً اب وہ سیاست کے داؤ پیچ بستر پر لیٹے لیٹے ہی لڑایا کرتا ہے اور ان پر عمل پیرا ہوتا ہے ان کا بیٹا برہان شاہ۔ برہان شاہ کو مضبوط ترین کرنے میں اس کی پھوپھی بلقیس شاہ کا بھی زبردست ہاتھ ہے۔ بھتیجے سے اس کی محبت کا اندازہ تم صرف اس بات سے لگا سکتے ہو کہ سلمہ کی شادی اسی برہان شاہ کے ساتھ اس نے بچپن سے طے کر رکھی ہے جب کہ وہ کسی طور سلمہ کے ہم پلہ نہیں۔ نہ شکل و عقل میں، نہ تعلیم میں۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں نے تم دونوں کی شادی کو سلمہ کی ماں سے بھی کیوں چھپایا تھا۔" وہ کافی تفصیل سے ہر بات سمجھا رہے تھے۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے مگر اب برہان شاہ کس طور سے مسائل پیدا کر رہا ہے؟" مسعد نے سب سے اہم نکتے پر ان کی وضاحت چاہی تھی۔

"میں تو زیادہ تر باہر ملک کے دوروں پر ہی رہتا ہوں۔ ایک طرح سے یہاں کا سارا کاروبار انہیں لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ سارے دھرم شالہ کا علاقہ یا تو ان لوگوں سے خوفزدہ ہے یا پھر ان کا فرمانبردار۔ برہان شاہ غنڈوں کا ایک گروپ لے کر گھومتا پھرتا ہے اس کے خلاف بولنے کی ہمت ایک شخص میں بھی تم کو نہیں ملے گی۔ ادھر کاروبار کئی سالوں سے مسلسل نقصان میں جا رہا ہے۔ جن جن مقامات پر ہم جوس کے ڈبے روانہ کرتے تھے وہاں سے مسلسل شکایت ہے کہ ان ڈبوں میں ایک عجیب سی بدبو ہے۔ اور اس کے پینے سے پیٹ خراب ہو جاتا ہے۔ سیب اور لیچیاں بھی خراب حالت میں اور کم تعداد میں پیک کر کے بھیجی جا رہی ہیں۔ کاروباری حلقوں میں ہماری ساکھ مسلسل گر رہی ہے اور ہمارے دوسرے کاروباری حریف کا مال دھڑا دھڑ فروخت ہو رہا ہے۔ جہاں جہاں ہماری چائے برآمد ہوتی ہے وہاں سے بھی شکایت موصول ہوئی ہے کہ چائے کا ذائقہ کڑوا ہے۔ میں اسے اتفاق کہنے کو تیار نہیں۔ کوئی ہے جو مجھے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت برباد کر رہا ہے۔"

"یہ ایسی سوچنے والی بات نہیں۔ کوئی بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ ان سبھی کاموں میں احسان شاہ اور برہان شاہ کا ہاتھ ہے۔" وہ لاپروائی سے بولا۔

"میں بھی سمجھ گیا ہوں بیٹا! مگر میں اسے ثابت نہیں کر سکتا۔ ان لوگوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ نہیں سکتا۔ ہمارا علاقہ ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے یہاں تک کہ میرے ہی گھر میں، میری بیوی بھی انہیں لوگوں کا ساتھ دے رہی ہے۔ میں انہیں بغیر کسی ثبوت کے اپنی جاگیر سے بے دخل نہیں کر سکتا۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔ یہ لوگ تو شروع سے ہی آپ کی جاگیر کی دیکھ بھال کر رہے ہیں آخر اب کچھ سالوں سے یہ شکایات کیوں موصول ہو رہی ہیں۔" اس کے ذہن نے یہ اہم نکتہ بڑے موقع سے اٹھایا تھا۔

"چھوٹی موٹی ہیرا پھیری اور دھاندلیوں سے تو میں ان کی [illegible] واقف ہوں مگر طرح دے جاتا تو کہ چلو اپنے ہی ہیں۔ مگر اب ان کا خسارہ برداشت کر رہا ہوں میں نفع کی شرح نہایت [illegible] کاروباری ساکھ کو ازحد دھکا لگا ہے۔ بہرحال ان معاملات برداشت کی حد سے نکل گئے ہیں۔ ادھر اللہ کی رحمت سے ہمیں موقعہ ملا ہے ان سبھی معاملات پر کنٹرول حاصل کرنے کا۔ برہان شاہ ان دنوں شدید قسم کے بحران کا شکار ہو گیا ہے۔ سارے کام کاج چھوڑے گھر پر آرام کر رہا ہے۔ یہی وقت ہے جب ہم دونوں مل کر سارے مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔ ایک بار کاروبار میں ہو رہے خسارے کی وجوہات سمجھ میں آ گئیں تو اس سدباب بھی اللہ تعالیٰ ضرور کرائے گا۔"

"یہ ایسا مشکل کام نہیں ہے۔ انشاء اللہ ہم جلد ہی کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔" وہ کافی دیر غور و خوض کرنے کے بعد بولا تو سلطان شاہ نے اطمینان کی سانس لی تھی۔

"میرے متعلق سب سے کیا کہیں گے ظاہر

اصلی رشتے سے تو سب کو باخبر کر نہیں سکتے۔" فون بند کرنے سے پہلے مسعد کو اچانک ہی خیال آیا تھا۔

"میں سب کو بتا چکا ہوں کہ برہان شاہ کی بیماری کے دوران، ہماری تمام جائیداد اور فیکٹریز کو سنبھالنے کے لیے ایک کوالیفائڈ شخص دبئی سے آ رہا ہے جس کا نام مسعد مودی ہے۔ تم کل ہی آ کر جنرل منیجر کی پوسٹ سنبھال سکتے ہو۔ فی الحال آرام کرو اور سوچو کہ کام کو کس طرح شروع کرنا ہے۔"

"کل ہے کیوں؟ ابھی سے کیوں نہیں؟ میں بالکل تھکاوٹ محسوس نہیں کر رہا۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ نجانے کب وہ آپ کا بھتیجا صحت مند ہو کر فیکٹری میں گھس کر مجھے منیجر شپ سے بے دخل کر دے۔" وہ طنزیہ انداز میں کہہ رہا تھا مگر سلطان احمد شاہ اسے مذاق سمجھ کر ہنس دیے۔

"آپ ایک ذمہ دار اور بااعتماد شخص کے ساتھ کار بھیج دیجیے۔ میں کم سے کم آج سارے باغات تو دیکھ ہی لوں۔"

"تھینکس بیٹا! تمہارے آنے سے میری آدھی پریشانی تو ختم ہو گئی۔ میں ابھی یہ آڈر دے رہا ہوں۔ جس شخص کو میں بھیج رہا ہوں۔ بظاہر تو بااعتماد ہی ہے مگر پھر بھی محتاط رہنا۔ یہاں کسی پر مکمل بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔" وہ الوداعی کلمات کہتے فون بند کر گئے۔

دوسرے سے باہر نکل آیا۔ تین بیڈروم پر مشتمل اس کاٹیج کے آگے [illegible] کی شکل میں جگہ چھوڑی گئی تھی جس کے نیچے کئی سیڑھیاں اترنے کے بعد لان تھا۔ یہاں بھی دیوار کے ساتھ ساتھ خوبانی، بادام اور شہتوت کے درخت لگے نظر آئے۔ جن کے قدموں میں گلاب، یاسمین اور یہاں کے خاص بیگن رنگ کے بران کے پھول تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے موسم پھر بدلا تھا۔ سفید بادل پہاڑوں کے اوپر سے اٹھے تھے اور دور آسمان کی لامتناہی بلندیوں کی طرف پرواز کر گئے تھے۔ سورج کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ لگتا تھا کہ اس علاقے میں وہ زیادہ تر، کاہلی پر آمادہ۔ سونے کا شوق پورا کرتا رہتا تھا۔

"یہاں کا موسم دھوکا دینے والا ہوتا ہے۔ ابھی آپ صحت مند دھوپ کا نظارہ کرتے ہوئے گھر سے باہر نکلے، دوسرے ہی پل بادل سر پر آ کھڑے ہوں گے اور بارش کی شکل میں آپ کو شرابور کر دیں گے۔" مس میری اس کے برابر میں آ کر ریلنگ تھام کر کھڑی ہو گئیں۔

"موسم پر کیا موقوف۔ بعض انسان بھی تو ایسے ہی ہوتے ہیں اگر ان سے مکمل واقفیت نہ ہو تو وہ کتنے معصوم اور دنیا کے ستائے ہوئے لگتے ہیں لیکن حقیقت میں وہی انسان دھوکہ باز، بے رحم اور فریب کار ہوتے ہیں۔ کہاں کس کو، کس طرح استعمال کرنا ہوتا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔" مسعد کے ذہن پر سلطان احمد شاہ کا ہیولا اتر آیا۔ ایک بار دل چاہا تھا کہ بغیر اس کی مدد کے یونہی واپس چلا جائے۔ سازشی خطرناک کاموں میں پھنسنا نہیں چاہتا۔ برباد ہونے دے اس شخص کو۔ جس طرح اس نے جائیداد جمع کی تھی اسی طرح اس کے بھائی بھتیجوں کو سمیٹ لینے دے۔

مگر نہیں۔ ہرگز بھی نہیں۔ یہ برہان شاہ کون ہوتا ہے سب کچھ چھیننے والا۔ اس کے پاپا کی ساری جائیداد کو لوٹا ہے اس سلطان شاہ ڈاکو نے۔ اس لیے ان سب کو حاصل کرنے کا صرف وہی حق دار ہے۔

"تمہارا مشاہدہ کافی تیز ہے اور لگتا ہے کہ لوگوں سے بڑا کڑا تجربہ حاصل ہوا ہے۔" مس میری مسکراتی ہوئی اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔ "ویسے تمہارا انگلش بولنے کا انداز، تمہارا ایکسینٹ بڑا زبردست ہے۔ کسی بڑے اچھے اسکول اور کالج سے پڑھا ہے تم نے۔" ان کے انداز میں مسعد کے لیے ستائش تھی۔

"میں نے لندن میں تعلیم حاصل کی ہے۔" اس نے اپنے ذہن سے فی الحال ہر خیال کو جھٹک دیا اور مسکرانے لگا۔

"واقعی! کون سے کالج سے۔" ان کے چہرے پر یکدم خوشیاں کرنوں کی شکل میں دمکی تھیں۔ "جانتے ہو میرا تعلق بھی لندن سے ہے ینگ مین۔"

"مورلے کالج سے!"

"واقعی شاہ صاحب نے سلمہ کے لیے تمہارا انتخاب کر کے زندگی میں سب سے بڑا عقلمندی کا کام کیا ہے۔ اور دیکھو میں ایک بار پھر نہ بھول جاؤں۔ سلمہ کی کال میرے موبائل پر نجانے کتنی بار آ چکی ہے۔ وہ تم سے

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.com
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ تمہارا موبائیل یا تو شاید بزی تھا یا پھر آف۔ پلیز تم اندر جا کر اس سے بات کرلو۔" انہیں جیسے یکدم یاد آیا تھا۔

"کیا وہ اس کے اور سفنہ کے تعلق سے واقف ہیں؟" وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"میں اس کی گورنس ہوں۔ بچپن سے میں نے ہی اسے پالا ہے۔ وہ اپنے سارے دکھ سکھ صرف میری ہی گود میں ڈالتی ہے۔" وہ جیسے اس کے دماغ میں جھانک رہی تھیں۔ "تم دونوں کی شادی میں شریک نہ ہونا ایک قسم کی مجبوری ہی تھی مگر میری نیک تمنا میں ہمیشہ تم دونوں کے ساتھ رہیں گی۔ ان کی آنکھوں میں پرخلوص سی چمک تھی۔

"مجھے میں سوچ رہا تھا کہ یہ اتنی ساری خوشیاں آسمان سے کیسے ٹپکی پڑ رہی ہیں۔ آپ دعا گو ہیں اس کے لیے ہر دم۔" وہ شرارتی انداز میں کہتا ان کے سامنے مودب انداز میں سر جھکا گیا جب کہ وہ آنکھوں میں نمی لیے ہنس رہی تھیں۔

چلو ایک شخصیت تو ایسی ملی جس پر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ ویسے حیرت کی بات تھی کہ ماں سے خبر پوشیدہ رکھی گئی مگر گورنس کو معلوم ہے۔ وہ سوچتا ہوا اور سر ہلاتا ہوا اندرونی کمرے کی طرف مڑ گیا۔ مگر موبائیل آن کر کے سفنہ کے بجائے اسی بھابی سے گفتگو شروع کر دی تھی۔ اور جب انہوں نے اسے خوشی خوشی وقت گذارنے اور سفنہ کا خیال رکھنے کی ہدایت بھی کر دی تو اس نے فراس بھائی کو مخاطب کیا تھا۔ وہ بار بار پرسکون ہو کر رہنے کی تلقین کر رہے تھے۔ "دل میں کسی کے خلاف کینہ نہ رکھنا سعد!" وہ ریسیور رکھتے رکھتے اسے نصیحت کرنا نہیں بھولے تھے۔

"کینہ!" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا تھا میرا بس چلے تو اس شخص کو در بدر کا بھکاری بنا دوں تاکہ دنیا کے سامنے گڑگڑاتا پھرے۔ مرنے کی دعائیں مانگے اور موت بھی اس سے دور بھاگے۔ اس کا خون ابل ابل کر جوش میں آ رہا تھا۔

فون آف کرنے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک بڑبڑاتا رہا۔

تبھی سفنہ کا فون موصول ہوا تھا۔

"آپ سے بات ہی نہیں ہو پا رہی۔ میں کب سے ٹرائی کر رہی ہوں۔" وہ اس کی آواز سنتے ہی کھل سی گئی تھی۔

"میں یہاں رومانس لڑانے نہیں، تمہارے باپ کے کام سے آیا ہوں۔" اس کا سارا غم و غصہ سفنہ پر ہی نکل گیا۔

"میں نے ایسا کب کہا؟" وہ ہمیشہ کی طرح سہم گئی۔

"سنو! میں جو کام یہاں کر رہا ہوں۔ وہ ایک طرح کا مشن ہی ہے تم مجھے بار بار فون کر کے ڈسٹرب نہ کرنا۔" سعد نے ہمیشہ کی طرح اسے جھڑک دیا۔

"جی!" اس کی آواز ہی نکلنی بند ہو گئی۔ دوسرے ہی لمحہ وہ اپنا موبائیل آف کر چکا تھا۔ نجانے مستقبل میں کیا حالات پیش آنے والے تھے مگر یہ طے تھا کہ وہ سلطان احمد شاہ کو تباہ کر کے یہاں سے نکل جائے گا۔ ایسی حالت میں سفنہ اس کا ساتھ دینے والوں میں سے نہیں تھی اس سے پہلے کہ وہ آگ اگلتی نظروں سے اسے دیکھ کر زہریلے لفظوں کے تیر برسا کر اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے۔ وہ اس سے خود ہی دوری اختیار کر لینا چاہتا تھا۔ فراس بھائی نے وعدے کی زنجیر میں جکڑ لیا تھا ورنہ یہ فیصلہ تو وہ خود ہی بہت پہلے کر چکا ہوتا۔ اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی دونوں کو علیحدہ مقامات پر رہنے پر مجبور کر دیا تھا تو وہ اپنے آپ کو اس کی جدائی کا عادی بنانا چاہتا تھا۔

مس میری دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے اطلاع دے رہی تھیں کہ سلطان شاہ نے ڈرائیور سمیت گاڑی بھیج دی ہے وہ باہر جانے کے لیے تیار ہو جائے۔ وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

کھول یوں مٹھی کہ اک جگنو نہ نکلے ہاتھ سے
آنکھ کو ایسے جھپک، لمحہ کوئی اوجھل نہ ہو
پہلی سیڑھی پہ قدم رکھ، آخری سیڑھی پہ آنکھ
منزلوں کی جستجو میں، رائیگاں کوئی پل نہ ہو

کاری ڈھلانوں سے پھسلتی، گھاٹیوں میں اترتی آخر کار سیبوں کے باغات تک جا پہنچی تھی۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔ مسز انیل اپنے ساتھ چھاتے لائے تھے مگر سعد نے استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔

"ایسا موسم شہروں میں دیکھنے کو کہاں ملتا تھا۔ بارش بڑھ گئی تو کھول لیں گے۔" چالیس کے لپیٹے میں یہ شخص سلطان احمد شاہ کا مشیر کار تھا۔ اس کے ذمہ سلطان صاحب نے اسے ساری جائیداد وغیرہ دکھانے کی ذمہ داری سونپی تھی۔

"آیئے! شروعات سیبوں کے باغات سے کرتے ہیں۔" دور دور تک پھیلے باغات، گھنے گھنے پتوں، سے ڈھکے پھیلے پھیلے درخت۔ درمیان میں کہیں کہیں آڑو لیمن کے درخت بھی نظر آ جاتے تھے۔ سیبوں کے باغوں کا سلسلہ ختم ہوا تو چیری اور آموں کے باغات شروع ہو گئے۔ مسز انیل فصلوں کے بارے میں بتا رہے تھے۔ کہ وہ کس موسم میں لد کر آتی ہیں اور کب توڑی جاتی ہیں۔ جب کہ وہ لال سیبوں کو دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ آخر ان صحت مند سیبوں کو خراب کیسے کہا جا سکتا ہے اور ان سے نکلے جوس کا مزہ آخر کار کیسے بدمزہ ہو سکتا ہے؟ اس نے یونہی ایک سیب توڑ لیا۔ کھانے کی کوشش کی تو مسز انیل نے روک دیا۔

"نہیں سر پلیز! جب تک آپ انہیں تھوڑی دیر کے لیے گرم پانی میں نہ ڈال دیں۔ سیدھے پیڑ سے توڑ کر آپ انہیں کھا نہیں سکتے۔ شدید نزلہ ہو جاتا ہے۔ خاص کر باہر کے لوگوں کو تو فوراً۔"

"اچھا!" وہ متاثر ہوئے بغیر سیب کو بیگ میں ڈال لیا۔ پھر کئی دن تک وہ اسے ان باغات میں گھومتے اور معلومات حاصل کرتے۔ پھر جب وہ چائے کے کھیتوں کی سمت سفر کر رہے تھے تو رات کی سیاہی پہاڑوں پر اترنے لگی تھی۔ چائے کے جھاڑی نما پودے، جنگلی پتیاں نیم کے پتوں سے قدرے چوڑی تھیں۔ حرے میں نہ کھٹی، نہ میٹھی۔ ان کو دیکھنے کے لیے اسے ڈھلان پر چڑھنا پڑ رہا تھا۔ "سارے سال ان کی صرف نرم پتیاں ہی توڑی جاتی ہیں اور فیکٹری میں بھیجی جاتی ہیں اور ہاں توڑتے وقت یہ دھیان رکھنا پڑتا ہے کہ بارش کا موسم نہ ہو۔ دھوپ نکل رہی ہو۔"

"کیوں؟" وہ گھٹنوں تک آتے پودوں کے درمیان احتیاط سے چلتے ہوئے بولا۔

"چائے کو صحیح شکل دینے کے لیے ان کا سوکھا ہوا ہونا بہت ضروری ہے۔" ہرے ہرے ان پودوں کے درمیان گھومتے اچھی خاصی رات اتر آئی تھی جب انہوں نے واپسی پر بہت سے لوگ اپنے اپنے کاموں سے لوٹتے ہوئے ملے تھے۔ کرتا پاجامہ، پینٹ شرٹ پہنے یہ سبھی لوگ درمیانی قد کے تھے۔ کوئی بھی آدمی نہ اسے بیحد لمبا دکھائی دیا اور نہ بیحد موٹا۔ سب چست پھرتیلے

غزل

برہان کلیم، حیدرآباد

میں حق شناس ہوں یارو، مجھے فریب نہ دو
فریب زیست کے مارو، مجھے فریب نہ دو
چمن میں ہوں، مجھے ہے موسموں کا اندازہ
خزاں بدوش بہارو، مجھے فریب نہ دو
سجا سجا کے جنہیں وقت نے جلائے ہیں
وہ خواب پھر نہ سنوارو، مجھے فریب نہ دو
میں ارتقائے جہانِ خرد سمجھتا ہوں
جنوں نواز سہارو، مجھے فریب نہ دو
شعور مجھ کو میسر ہے نور و ظلمت کا
حیات نو کے نظارو، مجھے فریب نہ دو
غموں کے بحرِ تلاطم میں عمر گزری ہے
اب اے بھنور کے کنارو، مجھے فریب نہ دو
وہ خواہشات جہاں آ کے مجھ سے تم بچھڑے
وہاں سے پھر نہ پکارو، مجھے فریب نہ دو
ہے تیرگی کے سوا کیا تمہارے پہلو میں
حسین چاند، ستارو، مجھے فریب نہ دو
یہ بے ضمیر زمانہ کلیم ہے پھر بھی
ضمیر اپنا نکھارو، مجھے فریب نہ دو

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.be
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

محسوس ہوئے۔

"اب آپ کل صبح تشریف لے آیئے گا۔ پہلے فیکٹری دیکھیں گے پھر آفس چلیں گے۔" انہوں نے مسٹر انیل سے وقت رخصت اگلے دن کا پروگرام بھی طے کر لیا۔ اب اندر کاٹج میں قدم رکھا تھا۔ رات حالانکہ وہ بہت تھک کر سویا تھا۔ اندازہ تھا کہ صبح ہی آنکھ کھلے گی۔ مگر ساری رات گھبرا کر آنکھ کھلتی رہی۔ ہر بار آنکھ کھلتے ہی سلسلہ خوابوں میں چلی آتی۔ خفا خفا سی، روٹی روٹی سی، کئی بار تو اسے واضح طور پر محسوس ہوا جیسے وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر لیٹ گئی ہو۔ اس کی شرٹ پکڑ کر زار و قطار رونے لگی ہو۔ اسے سینے پر بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔ گھبراہٹ تک گیلی محسوس ہو رہی تھی۔ بے چین نیند کے بعد صبح آنکھ بھی دیر سے کھلی تھی۔ وہ ناشتہ کر کے بڑی تیزی سے تیار ہوا تھا۔ کافی دیر سے منتظر مسٹر انیل کی کار میں جب وہ آ کر بیٹھا تو ٹھنڈی یخ ہوا اس نے اس کا استقبال کیا تھا۔

"اس موسم میں ڈرائیونگ بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ پہاڑی علاقہ ہونے کے سبب لینڈ سلائڈ ہوتے رہتے ہیں۔ یعنی تیز بارش کی وجہ سے کسی بھی پہاڑ کا کوئی حصہ ٹوٹ کر سڑک پر گر جاتا ہے۔ راستے بند اور اگر کوئی گاڑی گذر رہی ہو تو اسے مکمل طور پر ختم ہی سمجھو۔" مسٹر انیل پہاڑوں کے نیچے سے گذرتے ہوئے اسے خبردار کر رہے تھے یا پھر صرف ان کا مقصد اطلاع بہم پہنچانا تھا، وہ سمجھ نہ سکا اس لیے بغور انہیں دیکھنے لگا۔

"یہ صورت حال ہر پہاڑی مقام پر بارشوں کے زمانے میں دیکھنے کو ملتی ہے۔" وہ سر ہلاتا ہوا لاپروا انداز میں بولا۔ "اب اس کے خوف سے انسان سفر کرنا تو بند نہیں کر سکتا۔ مجھے آپ بتایئے کہ ہر فیکٹری میں کم و بیش کتنے مزدور کام کرتے ہیں اور انہیں اجرت کے طور پر کتنی رقم دی جاتی ہے۔" وہ گفتگو کا رخ نہایت ہوشیاری سے ضروری معلومات کی جانب موڑ چکا تھا۔

پھر سب کی فیکٹری، پتی کی فیکٹری اور چائے فیکٹری میں گھومتے ہوئے اسے ایک احساس شدت سے ہو رہا تھا کہ ان سب لوگوں کو اس کے وہاں آنے کی خبر تھی۔ سبھی نہایت ذوق و شوق سے کام کو لگن کے ساتھ کرتے نظر آ رہے تھے۔

اس نے ہر فیکٹری کے سپروائزر سے بھی کافی دیر تک گفتگو کی۔ "خاص کر چائے کی فیکٹری کا اس نے بغور معائنہ کیا۔ تقریباً دو فلور پر مشتمل یہ فیکٹری کافی بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے اندر کئی سیکشن تھے۔ پہلے والے سیکشن میں توڑی ہوئی پتیاں ڈرائر میں ڈال کر کسی خاص درجہ حرارت پر انہیں سکھایا جاتا تھا۔ پھر دوسرے سیکشن میں بھیجا جاتا تھا جہاں ایک ایک پتی سے الگ الگ قسم کا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ چھوٹی بڑی، ہر کسی قسم کی پتی، الگ قسم کے سلوک کی مستحق قرار دی جاتی تھی۔ اگلے سیکشن میں یہ طے کیا جاتا تھا کہ پتیوں کو کیا شکل دی جائے۔ یعنی سائز طے ہوتا تھا۔ چائے کی پتی باریک رکھی جائے یا موٹی۔ پاؤڈر کی شکل میں یا انسٹینٹ چائے کی صورت میں۔ یا پھر اس کی سابقہ شکل برقرار رکھی جائے۔ یہ سبھی باتیں اس تیسرے شعبہ میں طے ہوتی تھیں۔"

سپروائزر مسعود کی دلچسپی کو محسوس کرتے ہوئے ذرا ذرا سی بات کو نہایت تفصیل سے سمجھا رہا تھا

"اگلے دو سیکشن پیکنگ کے لیے ہیں۔ چائے ڈبے میں [illegible] کھلی ہوئی بھیجی جائے گی۔ پھر سب سے آخر میں [illegible] ہیں۔"

"اگر کوئی چائے کے مزے میں [illegible] تو کہاں گڑبڑ کی جا سکتی ہے۔" وہ ساری معلومات حاصل کرنے کے دوران مسلسل یہی سوچے جا رہا تھا مگر ابھی اس نے سپروائزر سے پوچھنے سے احتراز کیا تھا۔ دوپہر ہوتے ہوتے وہ واپس لوٹ آیا تھا۔

"میڈم بلقیس شاہ نے آپ کو کوٹھی میں بلایا ہے۔" کاٹج میں داخل ہوتے ہی پہلی خبر مس میری نے خاصے متوحش انداز میں دی تھی۔

"کیا لنچ پر!" وہ پرسکون انداز میں کہتے ہوئے اپنے کپڑے لے کر باتھ روم کی طرف جانے لگا۔

"نہیں ڈنر میں۔ اتنا اعزاز وہ کسی کو نہیں بخشتیں۔ لنچ سے تو فارغ ہو کر چلنا ہے۔" پھر کھانے کے دوران ہی سفینہ کا فون آ گیا۔

"مجھے ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ بڑی اماں نے آپ کو ملاقات کے لیے بلایا ہے؟" اس کا لہجہ کچھ کانپتا ہوا [illegible]

"بڑی اماں! کیا تمہاری کوئی چھوٹی اماں بھی ہیں؟" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔

"میں برہان کی اماں کو یعنی اپنی ممانی کو چھوٹی اماں کہتی ہوں۔" اس کے لہجے سے ابھی بھی فکر جھانک رہی تھی۔

"آخر اس میں اتنی پریشانی والی کون سی بات ہے؟ کیا انہیں ہماری شادی کا علم ہو گیا ہے؟" وہ ابھی تک غیر سنجیدہ تھا۔

"مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں ہو سکا۔ مگر آپ خود سے تو ہرگز نہ بتایئے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ صرف نئے جنرل منیجر سے ملنے کی خواہش مند ہوں۔ پلیز! آپ محتاط رہیے گا۔ ان کے سامنے سنبھل کر گفتگو کرنی ہے۔ وہ بات اگلوانے میں ماہر ہیں اور پھر اس کے بعد ریکارڈ لگانے میں۔"

"اور کوئی ہدایت۔" مس میری کی موجودگی کی وجہ سے وہ شرافت کے جامے میں تھا پھر اس کا اس قدر اپنے لیے فکر مند ہونا دل کے خزاں رسیدہ باغ میں نئی کونپلیں کھلا گیا تھا۔ پھر مس میری کی ہمراہی میں کوٹھی کی جانب پیدل سفر کرتے ہوئے، وہ اپنی سرشاری کیفیت کو محسوس کر کے، قدرے حیران ہوا۔ دل سفینہ سے صرف چند دن جدا رہ کر ملنے کے خیال سے ہی شاداں تھا۔ اس نے خاصا برہم ہو کر دل کو ڈانٹا تھا۔ وہ اس کو برباد کرنے والے دشمن کی بیٹی تھی اور یہ وقتی رشتہ جو دونوں کے درمیان موجود تھا۔ یہ بھی جلد ہی اس ریاکار دنیا میں کھو جانے والا تھا۔ اور جو لوگ رشتے تنہا چھوٹ جانے والے ہوں، اس سے ملنے کی اتنی بے قراری۔ چہ معنی دارد؟

کوٹھی اس کے اندازے سے بھی بڑی تھی۔ اندر سے اسے تین حصوں میں بانٹا گیا تھا البتہ اس کے اطراف ایک پھیلا لان تھا۔ جس میں ایک سے بڑھ کر ایک پھولوں کے پودے لگائے گئے تھے۔

"یہ بڑا والا پورشن بڑی اماں کا ہے۔ یعنی میڈم بلقیس شاہ کا، دوسرا پورشن برہان شاہ کے خاندان کے لیے ہے۔ اور تیسرے حصے میں سفینہ بڑے صاحب کے ساتھ رہائش پذیر ہیں۔"

مس میری آہستہ آہستہ بتاتی اندر کی سمت بڑھتی جا رہی تھیں۔

"سلطان احمد شاہ اور بلقیس شاہ ایک ساتھ نہیں رہتے؟" وہ حیرت زدہ ہوا۔

غزل

قدیر دانش، نظام آباد

روشنی میرے گھر نہیں آتی
اپنی صورت نظر نہیں آتی

موت برحق ہے وہ تو آئے گی
زندگی لوٹ کر نہیں آتی

خوشبو مہکاتی پھر رہی ہے صبا
وہ مگر میرے گھر نہیں آتی

میرے بچے شریر ہیں شاید
کوئی تتلی ادھر نہیں آتی

اپنے میکے کی جو خزاں دیکھی
بیٹی مفلس کے گھر نہیں آتی

جن کی تقدیر میں اندھیرا ہو
ان کی شب کی سحر نہیں آتی

جن کے دل میں ہو آگ نفرت کی
دوستی ان کے گھر نہیں آتی

دوستی کا صلہ بھی دیکھ لیا
دشمنی ہی مگر نہیں آتی

ہم تو ہنستے ہیں حال پر اپنے
اب ہنسی آپ پر نہیں آتی

درد کیسے چھپاتے ہم دانش
شاعری ہم کو گر نہیں آتی

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.pk/
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

"نہیں! کوئی ضروری کام ہو تو ہی صاحب ان کے والے پورشن میں جاتے ہیں۔" وہ کافی دیر بعد نظریں چرا کر بولیں۔ باہری حفاظتی پہرے سے گذر کر جب وہ اندر ایک وسیع ترین ہال کے نزدیک پہنچ گئے تو مس میری باہر ہی رک گئیں۔

"اب آپ اندر جائیے۔ مجھے آپ کو یہیں چھوڑ دینے کا حکم ملا ہے۔ میں آپ کی واپسی کی یہیں منتظر رہوں گی۔"

"واہ! کیا بلانے کے انداز ہیں۔ لگ رہا ہے جیسے میں کسی ملکہ عالیہ کے روبرو پیش ہو رہا ہوں۔" قدیم اور جدید طرز پر آراستہ یہ ہال، قیمتی لکڑی کے فرنیچر سے آراستہ تھا۔ قدم رکھنے پر اندر دھنس جانے والے ملائم قالین سے وہ پورا کمرا ڈھکا ہوا تھا۔ سامنے مسند پر جو شخص بیٹھا تھا وہ ایک ٹانگ سے معذور تھا۔ یقیناً وہ احسان شاہ تھا۔ اس کے نزدیک ہی دوہرے بدن کا درمیانے قد کا ایک نوجوان بھی بیٹھا تھا۔ یہ برہان شاہ ہوگا۔ مسعد نے اندازہ لگایا۔

"یہ جنرل منیجر ہے یا بابی وڈ کا ہیرو!" پہلا جھٹکا ہوا فقرہ اس پر اچھالا گیا۔ مگر بجائے جلنے کے وہ پرسکون انداز میں ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ اس جملے نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ اسے سفنہ کے تعلق سے نہیں جانتے تھے۔

"کچھ جاگیر کے کاموں کا تجربہ بھی ہے یا نہیں؟ کیا کوالیفکیشن ہیں تمہاری؟" ڈپٹ کر خاصے تضحیک آمیز لہجے میں برہان شاہ نے سوال کیا تھا۔

"میں باقاعدہ انٹرویو کے بعد منتخب ہوا ہوں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہاں میرا دوبارہ انٹرویو ہونے والا ہے تو میں اپنا بائیو ڈیٹا ہی لیتا آتا۔" وہ اطمینان بھرے انداز میں کہتا صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ہم نے تمہیں ابھی بیٹھنے کے لیے نہیں کہا تھا۔" برہان شاہ کے ماتھے پر شکنوں کا جال سا بن گیا۔

"مگر مجھے پرسکون انداز میں بیٹھ کر گفتگو کرنے کی عادت ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا۔ برہان شاہ نے تیش میں کچھ کہنے کی کوشش کی تھی مگر احسان شاہ نے دلچسپ نظروں سے مسعد کو دیکھتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولنے سے روک دیا۔ پھر انٹرکام کا بٹن دبا کر نجانے کس شخصیت کو مخاطب کیا تھا۔

"بہنا! آجاؤ۔ دیکھنے دکھانے کی چیز ہے۔" اور تھوڑی ہی دیر بعد مسعد کے درست اندازے کے مطابق بلقیس شاہ اندر داخل ہوئی تھی۔ بے پناہ سونے سے پیلی ہو رہی بلقیس شاہ لمبے قد کی، کافی سے زیادہ سانولی عورت تھیں۔ جسم پھیلتے پھیلتے دائرے کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ موٹاپے نے سر اور دھڑ کے بیچ گردن نام کی شے کو باقی نہیں رہنے دیا تھا۔ اس بار وہ سچ مچ حیرت زدہ ہوا۔ کیا یہ واقعی سفنہ کی والدہ تھیں؟ ان میں اور سفنہ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ شیشے جیسی نرم و نازک سفنہ اور کہاں یہ پہاڑ جیسی سیاہ عورت۔

"یہ ہماری جاگیر کا جنرل منیجر ہے۔" برہان شاہ کینہ توز انداز میں اسے گھورے جا رہا تھا۔

"ہوں!" انہوں نے بھی کوئی رائے دینے کے بجائے اسے گھورنے پر اکتفا کیا۔

"لڑکے!" وہ عجیب ہتک آمیز انداز میں مخاطب ہوئیں۔ "تمہیں یہاں بلانے کا مقصد اتنا سمجھانا ہے کہ تمہیں ملازمت شاہ صاحب نے ضرور دی ہے مگر تمہارے اصلی مالک یہی دونوں ہیں۔ یہاں کے سبھی معاملات سنبھالنے انہیں دونوں کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے تمہارا ان دونوں کے ساتھ مخلص رہنا زیادہ اہم ہے۔ سمجھ رہے ہو کہ کیا کہا جا رہا ہے؟" انکی آواز میں بڑا کر فخر تھا۔

وہ بغیر مرعوب ہوئے سر ہلا گیا تھا۔

"تمہیں یہاں بلانے کے بعد سب سے پہلے کیا کام سونپا گیا ہے؟" انہوں نے پینترا بدلا تھا۔ پہلی بار وہ چونک گیا۔ یہ عورت حقیقت میں نہایت زیرک اور چالاک قسم کی تھی۔ اس نے مسعد کی آمد سے متعلق سب سے اہم بات پوچھی تھی جب کہ ان دونوں کا دماغ تو اس طرف گیا ہی نہیں تھا۔

"فی الحال تو جاگیر کے انتظامات سنبھالنے کے لیے کہا گیا ہے۔" مسعد کا چہرہ اب بے تاثر نظر آ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے اب تم جا سکتے ہو۔ اگر کوئی بھی اہم کام شاہ صاحب کرنے کے لیے کہیں تو پہلے ہمیں اس سے باخبر کرو۔ اور ہاں، یہ گفتگو ہم چاروں کے درمیان ہی رہنی

چاہیے۔"

واپسی پر سفنہ اور سلطان احمد شاہ دونوں کا ہی تجسس اور فکرمندی سے بھرا فون آیا۔ مگر مسعد نے اصلی بات انہیں بھی نہ بتائی تھی۔ صرف اتنا کہا کہ وہ لوگ اس سے ملاقات کے متمنی تھے۔

شام کو وہ آفس چلا گیا جو عمارت کے پہلے فلور پر مشتمل تھا۔ اسے برہان شاہ والا کمرہ دیا گیا۔ تین کلرک، اکاؤنٹینٹ، کمپیوٹر آپیٹر سے وہاں اس کی ملاقات ہوئی۔ سلطان شاہ کی سکریٹری مس کیتھرائن کیف ایک انڈو انگلش لڑکی تھی جو اپنے کام میں خاصی اسمارٹ نظر آ رہی تھی۔ پھر اگلے دو دن وہ نہایت جوش و خروش سے اور خاصے خوش مزاج انداز میں سارے آفس کے اسٹاف اور مزدوروں سے ملنے ملنے کی کوشش کرتا رہا لیکن خاصی ناکامی ہی ہوئی تھی۔ مسئلہ زبان نہیں ہی تھی۔ بے شک وہ سبھی لوگ، خاص کر پسماندہ طبقہ ڈوگری زبان (آبائی زبان) بولتا تھا مگر اس زبان میں اتنے زیادہ الفاظ پنجابی زبان کے تھے کہ وہ نہ صرف بآسانی اسے سمجھ لیتا تھا بلکہ پنجابی بول کر انہیں سمجھا بھی لیتا تھا۔ مسئلہ دوسرا ہی تھا۔ وہ سب خاصے گھبرائے ہوئے تھے اس سے جو بھی بات کرتا۔ گھبرا کر اپنے اطراف کا خاصے نروس انداز میں جائزہ لیتا رہتا۔ ہر فیکٹری میں اس نے کچھ غنڈے قسم کے مزدور بھی دیکھے، جو خود تو کچھ کام کرتے نہیں تھے ہاں دوسروں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ اس نے باقاعدہ ان سب کی ایک فہرست مرتب کی۔ مگر اس سے بھی پہلے ایک دوسرا ضروری کام ہو جانا چاہیے تھا۔ اس دن وہ سلطان احمد شاہ کی کار میں ان کے ساتھ ہی آفس جا رہا تھا۔

"برہان شاہ علاج کے لیے کسی باہر ملک میں نہیں بھیجے جا سکتے۔ لوگ ہم پر جبھی اعتماد کریں گے جب برہان شاہ کا ڈنڈا ان کے سر سے ہٹ جائیگا۔"

میں خود ایسا مشورہ نہیں دے سکتا۔ پھر تو وہ شک میں مبتلا ہو جائے گا۔" سلطان احمد شاہ بڑی احتیاط سے کار چلا رہے تھے۔

"آپ مشورہ نہ دیں، مگر اس کا ڈاکٹر تو دے سکتا ہے۔ یہی کہ یہاں علاج ناممکن ہے۔ مرض حد سے بڑھ گیا ہے۔ لیور بالکل ہی ڈیمیج ہو چکا ہے وغیرہ۔"

"بالکل ممکن ہے۔ ہمارا فیملی ڈاکٹر ہے وہ۔" سلطان شاہ کی آنکھوں میں اچانک ہی چمک لہرائی تھی۔ "میرا ذہن تو اس طرف گیا ہی نہیں تھا۔ تم فکر نہ کرو۔ یہ کام انشاء اللہ ہو جائے گا۔ ڈاکٹر میرے زیر اثر ہے۔"

"مگر آپ کا نام درمیان میں نہیں آنا چاہیے۔ اپنے ہاتھ بچا کر کام کرنا ہے۔" وہ آفس میں داخل ہوتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ پھر اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اسے ٹھٹکنا پڑا۔

وہ جلوے بکھیرتی سامنے ہی بیٹھی تھی۔ ویسی ہی حسین، ویسی ہی طرحدار۔ کتنے دن بعد اسے دیکھا تھا۔

"ہیلو بیٹا! ڈرائیور نے بالکل صحیح وقت پر پک کیا نہ تمہیں؟ بھئی ہماری بیٹی سفنہ گھر میں بیٹھے بیٹھے بور ہو گئی ہے تو وہ ہماری مدد کے لیے اب دوپہر بارہ بجے تک آفس میں رہا کرے گی۔ کمپیوٹر وغیرہ کا کام تم اس کے حوالے کر سکتے ہو۔ کمپیوٹر ایکسپرٹ بھی ہے یہ۔" سلطان احمد شاہ اس کے نزدیک رکتے ہوئے کہہ رہے تھے جب کہ وہ چمکتے چہرے اور مسکراتی آنکھوں کے ساتھ مسعد کو دیکھ رہی تھی۔

پل کے پل اس کے دل کی کیفیت بدلی تھی۔ دل چاہا تھا کہ ساری نفرت، سارا غصہ بھلا کر سلطان احمد شاہ، برہان شاہ بلکہ اس سارے خاندان کو ہی ایک سمت دھکیل کر سفنہ کو چرا کر کہیں دور لے جائے۔ جہاں ماضی کی کوئی یاد اسے پریشان کرنے کے لیے نہ آ سکے۔ شاید چہرے پر بھی کچھ ایسی ہی کیفیات چھا گئی تھیں کیونکہ سفنہ بلش ہو کر اپنی نیل پالش کا جائزہ لینے لگی تھی۔ پھر جب سلطان احمد شاہ مسکراتے ہوئے اپنے کمرے کی سمت بڑھ گئے تو وہ بھی ہوش کی دنیا میں لوٹ آیا۔ پھر وہ کا نہیں تھا سیدھا اپنے کمرے میں آیا تھا۔ اندر آتے ہی اس نے اطلاعی گھنٹی بجا کر سیکریٹری کو طلب کیا تھا۔ سارے اسٹاف کو اس نے پچھلے دس سالوں کی خرید و فروخت کی فائلیں ڈھونڈ کر ترتیب وار لگانے کا کام سونپ رکھا تھا۔

"صرف پانچ سال کی فائلیں میرے کمرے میں رکھی جائیں۔ اس سے پہلے کی فائلوں کی ضروری معلومات کمپیوٹر پر فیڈ کی جائیں اور یہ کام شاہ صاحب کی

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.be
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

بیٹی کے حوالے کیا جائے۔" وہ سیکریٹری کو احکامات دے رہا تھا۔

"اتنا سارا کام مسعد؟" سفینہ حیران پریشان ذرا دیر بعد ہی اندر چلی آئی۔

"تم کام کرنے آئی ہو نا یہاں؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے خشک لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں محسوس کی جانے والی بے نیازی تھی۔ وہ ایک دم بجھ سی گئی۔

☆☆☆

پاس جب تک وہ رہے درد تھما رہتا تھا
پھسلتا جاتا ہے پھر آنکھ کے کاجل کی طرح

"برہان شاہ سخت بیمار ہے۔ بچنے کی امید کم ہے۔ آپ لوگ چاہیں تو اسے کسی دوسرے اسپتال میں شفٹ کر سکتے ہیں۔ ورنہ پھر اس کی زندگی کی دعا مانگیں۔" لندن سے آیا یہ فیکس، آفس کی فیکس مشین پر ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی موصول ہوا تھا۔ کیتھرائن چیخیں مارتے ہوئے یہ خبر سارے آفس کو سناتی پھر رہی تھی اور پھر فیکس اس کے اور سلطان احمد شاہ کے روبرو لا کر رکھ دیا تھا۔

"جاؤ ابھی فیکٹریز میں اعلان کرا دو تاکہ سبھی لوگ اس کی صحت یابی کی دعا مانگیں۔" مسعد اسے پڑھ کر نہایت بردباری اور سنجیدگی سے کیتھرائن سے کہہ رہا تھا۔

"آپ اس کی ایک کاپی میڈم بلقیس اور احسان شاہ کو دے دیں۔ ہو سکتا ہے وہ اس کے علاج کے لیے کوئی دوسرا فیصلہ کرنا چاہیں۔" وہ نہایت دردمندی سے کہتا سلطان احمد شاہ کی سمت فیکس بڑھا رہا تھا۔ کیتھرائن کیف تیزی سے باہر نکل گئی۔

"مگر یہ کس طرح ممکن ہے۔ کل رات ہی میری اس سے گفتگو ہوئی ہے۔ اچھا صحت مند اور بشاش محسوس ہو رہا تھا۔ ابھی رپورٹ نارمل بتا رہا تھا۔" وہ شش و پنج میں پڑ گئے۔

وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔ "یہ کمال میرا ہے۔ لندن میں موجود میرے ایک دوست نے یہ فیکس بھیج دیا ہے۔ اب کیا یہ ممکن نہیں کہ بارشوں کی وجہ سے آپ کی کوٹھی کی ٹیلیفون لائنیں آئندہ کئی دنوں کے لیے بے جان ہو جائیں۔ ابھی رابطے باہری دنیا سے منقطع ہو جائیں۔

تب آپ احسان شاہ کو لندن جا کر اس کی خبر گیری کا مشورہ دیں۔"

"وہ لوگ باہر کہیں سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں؟ فون صرف کوٹھی میں ہی تھوڑی ہیں۔" وہ تھوڑا الجھ گئے تھے۔

"یہ ناممکن ہے۔ میرے دوست نے لندن کے اس ہوسپٹل کے ٹیلیفون آپریٹر کو مٹھی میں کر لیا ہے۔ انڈیا کی کوئی کال اس کو دی ہی نہیں جائے گی۔ کوٹھی کی لائن سے خطرہ یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً وہ لوگ فون ملا ملا کر دیکھتے رہیں گے جبکہ باہر جا کر آدمی ایک آدھ بار ہی رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب اسی آپریٹر کو بے شمار فون کے جواب میں 'ناں' کہنا دشوار ہوگا۔"

"نائی بوائے!" وہ ہنس دیے تھے۔ "تمہیں تو کسی ایجنسی کا جاسوس ہونا چاہیے تھا۔"

"خیر ہو جائے گا یہ کام بھی۔ نہ صرف فون لائنیں بلکہ موبائیل بھی سارے کے سارے بیکار ہو جائیں گے۔ اب اگر ان لوگوں کا رابطہ برہان سے نہ ہو پایا تو سو فی صد یہ لوگ لندن کی طرف بھاگے جائیں گے۔"

"یہ کچھ کاغذات ہیں انکل! ان پر دستخط کرتے جائیے۔ کچھ غنڈے قسم کے مزدوروں کو میں حوالات کے اندر بند کرنے کی اسکیم بنا رہا ہوں۔ درخواست آپ کی طرف سے جائے گی۔" وہ انہیں الجھتا دیکھ کر چند کاغذات آگے بڑھانے لگا۔ سلطان احمد شاہ نے بغیر دیکھے جلدی جلدی دستخط کیے تھے اور تیزی سے نکل لیے تھے۔ پھر کتنی ہی دیر گذر گئی وہ بڑے زور و شور سے مسکرانے میں مصروف رہا۔ اسی بھائی اور فراس سے بھی فون پر بات کی مگر گھر واپسی کے قصے کو گول کر گیا۔

کافی دیر میں باہر نکلا تو سفینہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی نظر آئی۔ اس کی انگلیاں بڑی تیزی سے کمپیوٹر بورڈ پر متحرک تھیں۔ تین چار دن سے وہ مسلسل آ رہی تھی اور یہ فائلوں والا کام نبٹا رہی تھی۔ مسعد نے ڈھیروں کام اس لیے سونپے تھے کہ وہ گھبرا کر دوبارہ آنے کا نام ہی نہ لے۔ اسے دیکھ کر ارادے کمزور پڑنے لگتے تھے۔ بدلے کی آگ کی تپش دل میں مدھم ہونے لگتی تھی۔ اور وہ ایسا کسی طور نہیں چاہتا تھا۔

"کچھ فائلوں کا اندراج ہوا یا ابھی سب ایسے ہی پڑی ہیں۔" وہ سرسری انداز سے اس کے نزدیک رکا تھا۔ بہت دنوں بعد اس کا موڈ خوشگوار نظر آ رہا تھا۔

"میں کام ختم کر چکی۔ بس ایک آخری نظر ڈال رہی تھی۔ ویسے اب ان فائلوں کا کیا کیا جائے۔" اس کی آنکھوں میں ستارے جگمگانے لگے۔ چہرہ پھول کے مانند کھل سا گیا۔

"یہ تمہارا دردِ سر نہیں۔ میں انہیں تلف کرنے کے احکام بیان (چپراسی) کو دے چکا ہوں۔ اب یہاں ڈھیر کا ڈھیر تو جمع نہیں کیا جا سکتا۔" وہ اس سے نظریں بچا گیا۔

"سر میں نے پچھلے پانچ سال کی ساری فائلیں آپ کے کمرے میں ترتیب سے لگا دی ہیں مگر اس میں دو سال کی کچھ مخصوص قسم کی فائلیں غائب ہیں۔" کیتھرائن فوراً آگے بڑھ کر بتانے لگی۔

"تو ڈھونڈو انہیں! آخر وہ کہاں غائب ہو سکتی ہیں۔ اور مجھے کل اس کے بارے میں مفصل رپورٹ دو۔" وہ سیبوں کے باغوں کی طرف نکلا چلا گیا وہاں آج کل جوس کے ڈبوں کی پیکنگ چل رہی تھی چند دن بڑے اہم تھے۔ احسان شاہ اپنی بیوی کے ساتھ لندن روانہ ہو گئے تھے۔ اور ادھر چند مزدوروں کی گرفتاری عمل میں آئی تھی۔ سلطان احمد نے فوراً سبھی ورکرز کی ایک میٹنگ بلائی تھی جس میں ان کے کاموں کو سراہا گیا تھا لیکن کچھ مزدوروں کو شبہات کے تحت جانے کی صورت میں ملازمت سے ہاتھ دھونے کی سزا بھی دے ڈالی تھی۔ مسعد کی سفارش پر سبھی ورکرز کی تنخواہ بڑھانے کی خوشخبری دی گئی تو ماحول میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

اس دن جوس کی پیکنگ کا کام آخری مراحل میں تھا۔ وہ نجانے کب سے فیکٹری میں موجود تھا کھانے کا وقت نکل گیا تو بھوک کے احساس نے ستانا شروع کیا۔ سبھی سپروائزر نے گھر سے کھانا آنے کی خبر دی تھی۔ لنچ بوکس پر مس میری کی چٹ لگی دیکھ کر اس نے اطمینان سے کھانا شروع کر دیا۔ پھر وہ شاید زیادہ ہی بھوکا تھا یا کھانا ہی بے حد لذیذ تھا۔ وہ ہمیشہ سے زیادہ ہی کھا گیا تھا۔ شام کو ڈنر کرتے ہوئے۔ مس میری کا خصوصی شکریہ ادا کیا تو وہ خاصی حیران ہوئیں۔ "سفینہ بے بی نے بھیجا ہوگا۔ آج آفس [illegible]

غزل

احمد صدیقی، الہ آباد

قتل و خوں غارتگری کس کی وراثت ہوگئی
صلح و امن و آشتی اب تو حکایت ہوگئی
زندگی منت کشِ اعدا ہوئی کچھ اس قدر
دوستوں کو دوست کہنا بھی مصیبت ہوگئی
تھمتی ایام کا شکوہ کسی سے کیا کریں
اب ہماری بھی ستم سہنے کی عادت ہوگئی
منسلک جب سے ہوئی ہے زندگی اس ذات سے
زندگی کو بھی غمِ دوراں سے فرصت ہوگئی
ان کی مرضی ہے جسے چاہیں اسے رسوا کریں
اور اگر ہم اف کریں تو یہ شکایت ہوگئی
آج کے اس دور میں احمد کہاں ڈھونڈیں خلوص
اب ملانا ہاتھ کا بھی تو سیاست ہوگئی

کہ مین قورمہ اور کوفتے بنا رہی ہیں۔" وہ خاموش رہ گیا۔ سفینہ کا اتنا زیادہ خیال رکھنا دل میں کانٹے کی طرح چبھ جاتا تھا۔

ہمیشہ کی طرح اس دن بھی وہ تھکا ہارا گیسٹ ہاؤس پہنچا تھا۔ اب اس نے اچانک ہی کسی بھی جگہ پہنچ کر کاموں کی جانچ پڑتال شروع کر دی تھی۔ وہ سبھی مزدوروں سے گھنٹوں گفتگو میں مصروف رہتا اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا کہ آخر ان کے مال میں خامیاں کیوں کر پیدا ہو سکتی ہیں۔ وہ انہیں ہر دم یہ سمجھانے کی سعی کرتا کہ اگر فیکٹریاں بند ہو گئیں تو سوچو کتنے مزدور کام سے بے کار ہو جائیں گے۔ ابھی کل ہی اس نے باتوں باتوں میں سلطان شاہ سے بھی ان گمشدہ فائلوں کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ "کہیں برہان شاہ آپ کے پاس تو کچھ فائلیں نہیں چھوڑ گیا۔ اس میں دو سال کی فصل کی خرید و فروخت کا حساب کتاب ہوگا۔"

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.com
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

"مجھے تو کچھ معلومات نہیں۔ ویسے میں نے کبھی فائلیں وغیرہ چیک بھی نہیں کیں۔ وہ لوگ خود ہی حساب کتاب لگا کر ہر سال ایک مخصوص رقم میرے حوالے کر دیتے تھے۔" مسعد عجیب سے انداز میں انہیں دیکھنے لگا۔ حیرت کی بات تھی کہ جو شخص لالچ میں اندھا ہو کر اپنے دوست کا مال غصب کر سکتا تھا۔ وہ اتنا اندھا اعتماد کیسے رشتے داروں پر کر سکتا ہے؟ تمام دن وہ عجیب اڈھیر بن میں رہا۔ وجود میں انجانی سی بے چینی دوڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ سفینہ آج پورے دن آفس نہیں آئی تھی۔ اس کے دل نے کتنی ہی بار بے قرار ہو کر اسے اطراف میں ڈھونڈا تھا۔ رات کو سونے لیٹا تو اس کی یاد نے دل کی زمین پر پہلا پتھر پھینکا۔ پھر تو کنکریوں کی برسات شروع ہو گئی۔ کتنی ہی دیر بے تابانہ کروٹیں بدلنے کے بعد نیند کی دیوی نے چپکے سے اپنا نرم ہاتھ اس کی آنکھوں پر رکھ دیا۔ پھر کتنی دیر وہ سویا تھا اسے اندازہ نہ ہو سکا لیکن گیٹ پر تیز تیز مسلسل بج رہی گھنٹی سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ [illegible] بیدار ہوتے ہی پہلی نظر وال کلاک پر پڑی تھی۔ رات کا ایک بجا دیکھ کر وہ بہت چوکنا ہو کر اٹھا تھا۔

"کون ہے۔" کمرے سے نکل کر داخلی دروازہ کے نزدیک جا کر، اس نے کافی سخت لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"مسعد! یہ میں ہوں سفینہ!" چابی تیزی سے لاک میں گھومی تھی اور اس نے دروازہ کھول دیا تھا۔

"تم اتنی رات گئے؟ سب خیریت ہے سفینہ!" بڑی سی چادر میں لپٹا اس کا وجود اسے ایک دم فکر و پریشانی میں مبتلا کر گیا۔ سلطان احمد شاہ بھی آج پالم پور میں نہیں تھے وہ صبح سے مختلف کمپنیوں سے رابطے کی غرض سے شملہ گئے ہوئے تھے۔ ان بھی کمپنیوں کو یقین دلانا تھا کہ اب آئندہ ان کا مال نہایت تسلی بخش اور بہترین ہوگا۔ وہ بار بار خوفزدہ سی پلٹ کر دیکھتی تیزی سے اندر آ گئی اور دروازہ بند کر لیا۔

"اب میں واپس نہیں جاؤں گی۔" وہ گہری گہری سانس کھینچتی دروازے سے ہی لگ کر کھڑی ہو گئی۔

"اچھا اندر تو چلو، یہاں کیوں رک گئیں؟" وہ اس کا سہارا دے کر اسے اندر لے آیا۔

"بڑی اماں بڑے غضبناک موڈ میں ہیں۔ اپنا اور میرا سارا سامان پیک ہو گیا ہے۔ اور میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔ اب بارہ بجنے کے بعد مجھے حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اور میں صبح کی فلائیٹ سے پہلے دہلی اور پھر لندن چلے جائیں گے۔" مسعد کو یاد آیا کہ آج ان کا فون دوبار اس کے نام پر آفس میں آیا تھا۔ بڑی خطرناک دھمکیاں دی تھیں انہوں نے مسعد کو۔

"کیوں؟" وہ دوبارہ سفینہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"وہ مجھے کیوں بتائیں گی۔ مگر ان کی ملازمہ کو میں نے بتانے پر راضی کر ہی لیا تھا کہ وہاں میری شادی برہان شاہ سے کرنے کے پلان بنائے گئے ہیں۔ ایک بار ایسا ہو گیا تو مجبوراً ڈیڈی کو ساری جائیداد انہیں دینی ہی ہوگی۔ بڑی اماں تمہیں بھی بہت صلواتیں سنا رہی تھیں۔ اب تم نے کیا کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے احسان چاچا اور برہان شاہ یہاں آنے سے کترا رہے ہیں۔ اب خود نہیں آ سکتے تو مجھے بلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔" وہ از حد پریشان چادر اتار کر ایک طرف رکھنے لگی۔

"اس کا مطلب ہے ان کے درمیان کسی نہ کسی طرح رابطہ ہو ہی گیا۔" وہ بے ساختہ بڑبڑایا تھا۔ "خیر! ابھی تو میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے لیکن جلد ہی مجھے امید ہے کہ ان دونوں کے خلاف مواد جمع کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ لگتا ہے کہ وہ لوگ صرف کچھ مخصوص لوگوں کے گرفتار ہونے سے اور ان کے ذریعے معلومات حاصل ہونے سے ہی خوفزدہ ہو گئے ہیں۔" کہتے کہتے ان کا دماغ ان دونوں کی طرف چلا گیا۔ جو پکڑے جانے کے بعد برہان شاہ کے خلاف گواہی دینے کو تیار ہو گئے تھے۔ انہوں نے ہی بتایا تھا کہ چائے کی فیکٹری میں صحیح طور پر درجہ حرارت پتیوں کو نہ فراہم کرنے کی وجہ سے چائے کا مزہ بگڑ گیا تھا تب سپروائزر پکڑ میں آیا تھا۔ پکی اور سیب کے جوسوں میں بھی برہان شاہ پیکنگ کے وقت کچھ خاص قسم کا سفوف سا ڈالا کرتا تھا جس کی وجہ سے پینے والے کا پیٹ ڈسٹرب ہو جاتا تھا۔ ان لوگوں کے بیانات مسعد کے پاس محفوظ تھے۔

"آخر تم اتنی کیوں پریشان اور فکر مند ہو؟ وہ زبردستی تو اٹھا کر پلین میں بیٹھ نہیں سکتے۔ اور جب ایک بار نکاح

ہو چکا ہے تو دوسری بار کسی اور سے نکاح ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔" وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تو ان کو کیا معلوم میری شادی کے بارے میں۔ وہ تو پکڑ کر کر ہی دیں گے۔" وہ بدستور گھبرائی ہوئی تھی۔

"تو تم بتا دینا۔" وہ مسکرایا تھا۔ سیاہ لباس میں سفینہ کا چہرہ چاند کی ہی طرح چمک رہا تھا وہ چکور کی مانند اسے دیوانہ وار تکنے لگا۔

"کیسے بتاؤں؟ تم اور ڈیڈی نجانے کیا کرتے پھر رہے ہو اور مجھے اتنی بڑی حقیقت چھپانے پر مجبور کر رکھا ہے۔ بس اب مجھ سے اور ایکٹنگ نہیں ہوتی۔ میں اب وہاں نہیں جاؤں گی۔" وہ خفا خفا سی بستر پر لیٹ گئی اور تکیے میں منہ چھپا لیا۔

مسعد کو اپنی کنپٹیاں جلتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ برداشت کی حدوں کو رخصت ہوتا محسوس کر کے، وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے بستر کی طرف پلٹ آیا۔

صبح صبح اس نے سفینہ کو مس میری کے ساتھ دھرم شالہ کے ایک ہوٹل میں شفٹ کر دیا تھا۔ اس کے بعد ہی وہ آفس جانے کے لیے نکلا تھا۔ اب یہاں کے راستوں سے اس کی دوستی ہو گئی تھی۔ آج کل سلطان شاہ کی کار اس کے تصرف میں تھی۔ راستے میں چاولوں کے کھیت پانی میں ڈوبے نظر آئے۔ اگلا نومبر کا مہینہ چاولوں کی فصل کاٹ لینے کے لیے ملے تھا پھر یہاں کے لوگ گیہوں کی فصل بو دیا کرتے تھے۔ پھلوں سے لدے باغات میں بندروں کے غول لٹکتے نظر آ رہے تھے۔ کبھی کبھی کوئی خرگوش بھی راستہ کاٹتا نظر آ جاتا۔ کبھی راستے میں دلدار رحیم دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے لفٹ مانگنے کے لیے کھڑا نظر آیا۔ وہ ان کی جاگیر کا چیف اکاؤنٹینٹ تھا۔

"آپ سے تنہائی میں بہت ضروری بات کرنی تھی۔ اس لیے آج میں نے خاص طور پر یہ راستہ چنا ہے۔" وہ کار کے نزدیک رکتے ہی فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھا۔

"پلیز! کسی پرسکون سی جگہ پر کار پارک کر لیں۔" وہ بجھی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"نہیں تم بولتے رہو۔ میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے بھی دماغ کو الرٹ رکھتا ہوں۔ جب تک تمہاری بات ختم نہیں ہوگی ہم بہر حال آفس نہیں پہنچیں گے۔"

اس نے احتیاط کے پیش نظر کار روک کر دیر تک اس کی بات سننی مناسب نہیں سمجھی۔

"ایک زمانہ جانتا ہے کہ میں ہمیشہ برہان شاہ کے خاص آدمیوں میں گنا جاتا رہا ہوں۔ پچھلے دو دنوں میں جو گرفتاریاں پیش آئی رہی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ان میں میں بھی شامل کر لیا جاؤں۔ اگر آپ غور کریں تو صاحب! یہاں کا کوئی بھی آدمی برہان شاہ سے مخلص نہیں ہے بلکہ وہ صرف اس کے خوف سے اس کی باتوں کو ماننے کے لیے مجبور ہے۔ چلتے وقت انہوں نے ایک عجیب و غریب حرکت کی۔ میرے پاس بطور امانت ایک بریف کیس، کاغذات سے بھرا ہوا رکھوا گئے ہیں۔ ابھی تک تو میں نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا لیکن گرفتاری کے بعد میں نے اسے گھبرا کر کھول ڈالا۔ ان میں وہی فائلیں ہیں سر! جو آپ تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ وہ انہیں لا کر میں یا پھر اپنی پھوپھی بلقیس شاہ کے پاس کیوں نہ رکھوا گئے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے سوچا ہو کہ میری طرف کسی کا دھیان نہیں جائے گا۔ خیر! میں ان قصوں میں پڑنا نہیں چاہتا۔ بعد میں اگر مجھے انہوں نے پکڑا تو کہہ دوں گا کہ آپ نے پولیس کی مدد سے وہ بریف کیس میرے گھر سے برآمد کر لیا۔ اب کم از کم میں سکون کی نیند تو سو پاؤں گا۔"

"کہاں ہے وہ بریف کیس؟" مسعد کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

"میں ساتھ لے کر آیا ہوں سر! یہی تو ہے۔" وہ ہاتھ میں پکڑے بریف کیس کو کھول کر دکھانے لگا۔

"گڈ! شکر ہے کہ تم نے خود ہی عقلمندی کا ثبوت دے دیا۔" وہ اس کے ہاتھ سے بریف کیس لے کر اپنے قبضے میں کر چکا تھا۔

"برہان شاہ اور احسان شاہ آخر اس جائیداد اور فیکٹری سے دشمنی پر کیوں آمادہ تھے۔ حالانکہ سلطان شاہ صاحب نے اسے سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا تھا اسے اس جائیداد کی جی جان سے حفاظت کرنی تھی۔ میں شش و پنج میں ہوں۔ کیا تم اس پر روشنی ڈال سکتے ہو۔"

"ان فائلوں کو آپ کھول کر دیکھیں گے تو اندازہ ہوگا کہ ان میں نفع کی اصلی تصویر دکھائی گئی ہے۔ اسی وجہ

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.
READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.com

سے یہ فائلیں دوسری فائلوں کے درمیان سے نکال لی گئی تھیں۔ آپ ان کا لندن والا اکاؤنٹ اگر چیک کرالیں تو وہاں کروڑوں کے حساب سے روپیہ جمع ملے گا۔ آخر کہاں سے آیا ان لوگوں کے پاس اتنا پیسہ، جب کہ جن فیکٹریوں کے وہ منتظم اعلیٰ ہیں وہ مسلسل خسارے میں جارہی ہیں اور خود وہ کسی جائیداد کے مالک بھی نہیں ہیں۔ تو سر! آپ سوچیے اس سے بڑا ثبوت ان کی بے ایمانی کا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔"

مسعد کچھ نہیں بولا تھا اس کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں مسلسل گہری ہوتی جارہی تھیں۔

سلطان احمد شاہ دو بجے تک شملہ سے لوٹ آئے تھے۔ ان کی مختلف کمپنیوں سے گفتگو بڑی کامیاب رہی تھی۔ مسعد نے فائلوں کا گہرا جائزہ لیا تھا۔ ان کے مطابق فیکٹریاں ہرگز نقصان میں نہیں جارہی تھیں۔ مسعد کو کچھ تصاویر بھی ان فائلوں میں ملیں۔ ایک تصویر میں برہان شاہ چکی اور آموں کے مول کو گنا رہا تھا۔ چائے کی پتیوں کو ڈرائر میں ڈالتے ہوئے سپروائزر کے ساتھ کھڑا تھا۔

"نتائج اس قسم کی تصاویر دکھا کر وہ مخالف گروپ سے بھاری رقم بٹورا کرتا تھا۔ یہ سارے ثبوت پولیس اسٹیشن میں جمع کرا کے میں ان دونوں کا داخلہ ہمیشہ کے لیے ہندوستان میں بند کرادوں گا۔"

"ان کو آنے کی اب ضرورت بھی نہیں ہے۔ آپ نے لندن بینک میں ان کے جمع شدہ اماونٹ پر نظر ڈالی۔ وہ آپ کو اچھی طرح لوٹ چکے ہیں اب بقیہ زندگی عیش میں گذاریں گے۔ ہوسکتا ہے ان کا منصوبہ آپ کو برباد کرنے کے بعد آخر میں خود ہی ساری جائیداد کو کوڑیوں کے بھاؤ خریدنے کا ہو۔ خیر! میری ذمہ داری اب پوری ہوئی۔ میں اب چند دنوں کے لیے دہلی ہوآؤں۔ فراس روزانہ آنے کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔" وہ کہتے کہتے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہیلو!" فون بہت دیر سے بج رہا تھا۔ سلطان احمد شاہ نے اس کا ریسیور اٹھالیا اور اشارے سے مسعد کو رک جانے کے لیے کہا۔

"ایک اور پریشانی! بلقیس شاہ صبح کو جہاز سے نجانے کہاں چلی گئی ہیں۔ سفنہ کا بھی پتا نہیں۔ مجھے اس منحوس عورت کی فکر نہیں، مگر سفنہ کہاں ہوگی؟" وہ از حد فکر مندی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"سفنہ مس میری کے ساتھ آنند پیلیس ہوٹل میں ہے۔ میں نے ہی دونوں کو صبح صبح وہاں چھوڑا تھا۔ اس جانب سے آپ بے فکر رہیں۔ رات کو وہ گیسٹ ہاؤس چلی آئی تھی۔" وہ انہیں جلدی جلدی رات والے واقعات بھی سنانے لگا۔

"یہ آخری ہتھیار تھا جس کا استعمال انہوں نے کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ عورت بلقیس شاہ زندگی بھر میری نہ بنی۔ مجھ سے زیادہ ہمیشہ اسے پہلے اپنے باپ بعد میں بھائی اور اب بھتیجے پر بھروسہ رہا۔ دفع کرو! لعنت بھیجو اس پر۔ رہے انہیں کے ساتھ۔" وہ جھنجھلائے لہجے میں کہتے سفنہ سے موبائل پر رابطہ قائم کرنے لگے۔ پھر وہ انہیں گفتگو کرتا دیکھ کر نکل لیا تھا۔

حقیقت میں اب اس کا کام یہاں پر ختم ہی ہوا تھا۔ وقتاً فوقتاً وہ کچھ ایسے کاغذات پر انگے دستخط لیتا رہا تھا جس کی رو سے وہ اب ان کی پوری جائیداد کا اکلوتا وارث تھا۔ یہ دعویٰ وہ دہلی جاکر کچھ دن آرام کرنے کے بعد کرنا چاہتا تھا۔ یہاں رہ کر ان سے اتنے مسئلے نمٹانے کا مقصد ہی یہی تھا کہ وہ ان سے نزدیکی اختیار کرکے آسانی سے ان دستاویز کاغذات پر دستخط کرالے۔ اس نے ایرلائن کو فون کرکے پہلے دہلی کی دو فلائیٹ بک کرائیں۔ موہوم سی امید تھی کہ شاید سفنہ ہمیشہ کی طرح اس کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جائے۔ رات اس کا یوں بے قرار ہوکر مسعد کے پاس دوڑے آنا، اس کو بہت سی خوش فہمیوں میں مبتلا کر گیا تھا۔

وہ سفنہ کو سب کچھ بتادے گا۔ اس کے باپ کا ایک ایک ظلم۔ پھر سکون کے ساتھ وہ دونوں نئی زندگی کی شروعات کریں گے۔ وہ اس سے اتنی شدید محبت کرتا ہے کہ اس کی سچائی پر حرف بہ حرف یقین لے آئے گی۔ ویسے بھی وہ حق پر ہے اور حق اپنا آپ منوا کر رہتا ہے۔ اس نے کار کا رخ آنند پیلیس ہوٹل کی جانب موڑ لیا۔

"مجھے معلوم تھا کہ آج تم سیدھے یہیں آؤ گے۔" نیچے سے انٹرکام پر اطلاع دے کر وہ جیسے ہی اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ خوشی سے بے قابو ہوکر، تیر کی طرح اس کی سمت آئی اور سینے سے لگ گئی تھی۔

"پہلے ایک ضروری بات سن لو۔" وہ اسے اپنے سے علیحدہ کرتے ہوئے نہایت سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"مجھے معلوم ہے۔ بڑی اماں کی روانگی کی اطلاع دو گے۔ لعنت بھیجو۔" وہ بالکل اپنے باپ کے انداز میں بولی۔

"اسے چھوڑو۔ میں نے آج رات کے دو ٹکٹ دہلی کی فلائیٹ کے بک کرادیے ہیں۔ فیصلہ اب تم کروگی؟ میرے ساتھ چلوگی یا یہاں پر اپنے ڈیڈی کے ساتھ رہوگی۔" وہ اسے ایک دم فیصلہ کن گھڑی پر لے آیا۔

"آف کورس تمہارے ساتھ چلوں گی۔ میرا بہت دل چاہ رہا ہے اس بھائی سے ملنے کا۔ جانتے ہو وہ پرکیٹیف ہیں۔ ان دنوں فراس بھائی اور اس بھائی کو ہم دونوں کی بے حد ضرورت ہے۔ رات میری کافی دیر تک ان دونوں سے بات چیت ہوئی ہے۔" وہ بات کی گہرائی میں پہنچ ہی نہیں پائی اور تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"رکو تو!" مسعد نے بڑی نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "ایک دردناک کہانی سننی ہے تمہیں۔ اور پھر فیصلہ کرنا ہے کہ اس مقام پر کس کا ساتھ دینا ہے میرا یا اپنے ڈیڈی کا۔" وہ سفنہ کا ہاتھ تھامے اسے اپنے بچپن سے گذارتا، سلطان احمد شاہ کے ظلموں تک آگیا۔ والدین کا حال اور پھر در بدر پھرنے کی داستان۔ مسعد کے ہاتھ میں سفنہ کا ہاتھ ٹھنڈا برف کا ٹکڑا ہوتا جارہا تھا۔ خوف و دہشت کے سائے اس کی آنکھوں میں لہرانے لگے تھے۔ اور جب مسعد نے بدلے کے طور پر سلطان احمد شاہ کی ساری جائیداد اپنے نام کرنے کی بات اسے نہایت جوش سے بتائی تو وہ بے یقینی کی کیفیت میں آنکھیں پھاڑے اسے کتنی ہی دیر دیکھتی رہی۔ لگ رہا تھا جیسے قیامت کا صور اس کے کانوں میں پھونکا جارہا ہو۔ ایک ناقابل برداشت اذیت اس کی روح کو جکڑنے لگی تھی۔

"ڈیڈی ایسا کبھی نہیں کرسکتے۔" کافی دیر بعد اس کے منہ سے آواز نکلی تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" وہ ایک دم بھڑک کر اس کا ہاتھ چھوڑ گیا۔

"جو شخص زندگی میں ایک کیڑے کو تکلیف میں نہ دیکھ سکتا ہو، وہ انسانی وجود کو تباہ و برباد کرے گا اور وہ بھی انہیں جنہیں وہ اپنا دوست کہتا ہو۔" وہ سامنے دیوار پر کسی نامعلوم نقطے پر نظریں گڑائے بولے جارہی تھی۔

"تمہیں ان کی شخصیت کا تجزیہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ ان کا ساتھ دوگی یا میرا؟"

سفنہ کو لگا جیسے اسے گھسیٹ کر کانٹے دار جھاڑی پر پھینک دیا گیا ہو۔ کانٹے جگہ جگہ چبھ رہے تھے۔ وہ زخمی نظروں سے دیر تک اسے دیکھتی رہی۔ "جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ انہوں نے ایسی گھناؤنی حرکت کی ہے یا نہیں، جس میں انہیں ملوث کیا جارہا ہے۔ میں انہیں کیسے چھوڑ جاؤں؟ کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے؟" پہلی بار وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے جرح کررہی تھی۔

"کیوں کیا میری زبان کافی نہیں ہے؟ اگر چاہو تو فراس بھائی سے مزید دریافت کرلو۔ یا پھر لندن لے کر چلوں، جہاں پر ان بھی لوگوں سے ملواؤں جنہوں نے ہم لوگوں کا ہر زمانہ دیکھا تھا۔ عیش و آرام کا بھی اور فاقہ کشی کا بھی۔" وہ اسے یوں باپ کا دفاع کرتے دیکھ کر از حد تلخ ہوگیا۔

"دنیا کے ہر انسان کے بارے میں تمہارا کہا ہر لفظ سچ مان لوں گی۔ مگر یہاں معاملہ میرے ڈیڈی کا ہے۔ وہ ایسے باپ ہیں جنہوں نے دنیا کی سارے خوشیاں مجھے دینے کی ہمیشہ سعی کی اور میرے سارے غم خود لینے کے لیے ہر دم تیار رہے۔ اب اس وقت جب کہ ہر رشتہ ان کا ساتھ چھوڑ چکا ہے تو میں کیسے انہیں چھوڑ جاؤں۔ میری جدائی تو انہیں مار ہی ڈالے گی مسعد!" اس کی آنکھوں میں ایک جہاں کی تڑپ آبیٹھی تھی۔

"مسعد! کیا تم یہ سب بھول نہیں سکتے؟ پلیز میری خاطر!" وہ ایک بار پھر اس کے سینے سے جا لگی اور اتنے پیار سے التجا کی کہ لمحہ بھر کے لیے مسعد کا دل ڈانواڈول ہوگیا۔

مگر صرف ایک لمحے کے لیے دوسرے ہی لمحے وہ پھر زندگی کی تلخ حقیقتوں کے سامنے کھڑا تھا۔ ساری زندگی اس شخص کو دیکھ دیکھ کر صبر و برداشت کے گھونٹ پی پی کر

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.com
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

جینا بہت مشکل تھا۔ نہیں اسے اس طرح کی زندگی منظور نہیں سفنہ کو سلطان شاہ کی محبت سے دستبردار ہونا ہی پڑے گا۔ دونوں میں سے کوئی ایک محبت کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ وہ مسعد سے بہت محبت کرتی ہے اس کے بغیر رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی وہ ذرا سختی اختیار کرلے تو وہ یقیناً باپ کو چھوڑ کر آجائے گی۔ بس اس وقت ذرا بھی نرمی نہیں، ڈھیل نہیں۔

"یہ ناممکن ہے سفنہ! اس کے علاوہ تم جو چاہے وعدہ کرالو۔"

وہ جھٹکے سے الگ ہوگئی۔ چند لمحے خود کو سمیٹنے میں لگاتی رہی۔ "اس کے علاوہ تمہارے پاس ہے ہی کیا۔ جو میں تم سے مانگوں گی۔ پالم پور کے اس علاقے کی یہ زبردست جائیداد مبارک ہو مسٹر مسعد محمودی! اتنی جائیداد حاصل کرنے کے بعد، بے شمار حسین و جمیل لڑکیاں بھی مل جائیں گی۔ سفنہ شاہ کبھی کسی لمحہ یاد نہ آئے گی۔ اور ہاں، فکر نہ کرنا۔ جب تک تم تمام ملکیت کے حق دار نہ بن جاؤ گے، مکمل قبضہ نہ کرلو گے میں یہ ساری باتیں ڈیڈی کو بھی نہیں بتاؤں گی۔ تم بآسانی یہ سب کر سکو گے۔ میں ڈیڈی کو لے کر کسی دور دراز مقام پر چلی جاؤں گی۔ میں اور ڈیڈی کسی صورت میں تمہاری نئی زندگی میں مداخلت نہ کریں گے۔ یقین کرو۔ یہ وعدہ رہا۔"

وہ یوں سوگوار تھی جیسے اس کے پورے وجود پر رات اتر آئی ہو۔ آج وہ رو نہیں رہی تھی بلکہ اس کی آنکھوں کی جھیلوں میں پانی کے بجائے دھول اڑ رہی تھی ویران ویران سی ریت اڑاتی آنکھیں، کسی صحرا کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ جب کہ وہ بیگانہ بنا اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر جاتے جاتے رک کر اس نے مسعد کو یوں دیکھا جیسے کوئی اپنے سے دور ہوتی زندگی کو دیکھتا ہے۔ پھر بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

☆☆☆

تمہارا ساتھ مسلسل سے چاہیے مجھ کو
تھکن زمانوں کی لمحوں میں کب اترتی ہے

مسعد نے بڑی تیزی سے گیسٹ ہاؤس والے کاٹیج میں واپس آکر اپنا سامان پیک کرنا شروع کیا تھا۔ کافی دیر اس کام میں مصروف رہنے کے بعد اس نے گیزر آن کیا تھا اور شاور کھول کر کافی دیر اس کے نیچے کھڑا رہا۔ پھر کچن میں جا کر ایک کپ کافی بنائی تھی۔ وقت تھا آگے کی طرف بڑھنے کو راضی ہی نہیں ہو رہا تھا۔ دل الجھن، وحشت، پژمردگی، طیش نجانے کون کون سی کیفیات ڈیرہ جمائے بیٹھی تھیں۔ کبھی ایک حاوی ہو جاتی کبھی دوسری۔ اس نے کمرے کی کھڑکیوں کے پردے ہٹا ڈالے۔ سامنے آسمان پر سورج کا گولا سرخی مائل ہو رہا تھا جب کہ اس کے مخالف سمت پر دھندلا سا چاند ابھر رہا تھا۔ "ارے یہ چاند ابھی سے کیوں کر چلا آیا۔" اس نے آنکھیں مل مل کر دیکھا۔ وہ بھی دن کے شہنشاہ سورج کی موجودگی میں۔ افق کی لامتناہی گہرائیوں میں ڈوبتا ابھرتا کر مزید واضح ہوتا جا رہا تھا۔

وہ بھی تو ناموافق حالات میں کمزور چاند کی طرح ہی تھا۔ مگر اپنی محبت اور ہمت کے بل بوتے پر وہ مغرور سورج کے سامنے جب تک گیا اور گوہر مقصود پالیا۔ سفنہ کہتی ہے کہ سب چھوڑ چھاڑ کر ہر بات کو بھول جاؤں آخر ایسا کیوں کر ممکن ہے؟ سفنہ اپنے باپ کے سامنے میں جذباتی ہو سکتی ہے مگر میں نہیں۔ اس کے دماغ میں ایک بار پھر غصہ کی گرم لپٹیں اٹھنے لگیں۔

سفنہ کے ساتھ پہلے والا سلوک ہی زیادہ بہتر تھا نجانے کچھ دنوں سے یہ نرم دلی کی کیفیت کیوں طاری ہوگئی تھی کیوں دل اتنا خوش گمان ہو گیا تھا کہ اس سے ایسی توقعات وابستہ کر بیٹھا تھا کہ وہ بے پناہ محبت وجہ سے اسے اپنے باپ پر فوقیت دے گی۔ مگر وہ بھی اس کی تھی ہی نہیں۔ وہ ہمیشہ سے سلطان احمد شاہ کی بیٹی تھی۔

"سفنہ شاہ! تم یہ نہ سمجھ لینا کہ میں تمہاری محبت کی شکست کھا کر تمہارے در پر جھک جاؤں گا۔ میں مر جاؤں گا مگر کبھی واپس تمہارے پاس نہیں آؤں گا۔ آج تمہارے فیصلے نے مجھے ہمیشہ کے لیے تم سے دور کر دیا۔"

اچانک ہی اس کا تن من بلکہ پورا وجود شعلوں کی لپیٹ میں آگیا۔ دھواں ہی دھواں اطراف میں بکھرا تھا اس سے پہلے کہ وہ جھلس کر ختم ہو جاتا۔ دروازہ دھیمے سے بجایا جانے لگا۔

"کیا میں اندر آسکتی ہوں بیٹا!" مس میری باہر کھڑی اجازت طلب کر رہی تھیں۔

"ضرور! آپ کو اجازت کی ضرورت تھوڑی ہے۔ اچھا ہوا آپ آگئیں۔ آپ سے ملے بغیر چلا جاتا تو سخت صدمہ ہوتا۔" وہ بڑی عزت سے انہیں اندر لے آیا۔

"یک مین! اس وقت میں سفنہ کے پاس سے آرہی ہوں۔ اسے اتفاق سے ہوٹل سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔ میرے لاکھ پوچھنے پر بھی اس نے کچھ نہ بتایا تو میں اس کے پیچھے پیچھے کوٹھی تک چلی گئی۔"

"جب آپ اس سے مل آئی ہیں تو ساری صورت حال آپ پر واضح ہوگئی ہوگی۔" اس کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت نظر آنے لگی۔

"مجھے تو خیر ہر بات کا علم ہے ہی مگر اتفاق سے تم دونوں کو اصلی حقائق کا علم نہیں۔ اب تم یہاں سکون سے بیٹھو اور ایک کہانی مجھ سے بھی سن لو۔ اگر اس وقت بھی میں نے تمہیں یہ سب نہیں بتایا تو سمجھو زندگی میں کوئی کام نہ کیا۔"

"بڑی اماں یعنی بلقیس شاہ کو دیکھ کر اکثر تم نے مجھ سے کہا کہ یہ سفنہ کی مدر کسی طور نہیں لگتیں۔ تب میں اس سوال سے نظریں چرا گئی تھی۔ کیسے کہتی کہ تمہارا خیال سو فی صد درست ہے۔ بلقیس شاہ حقیقت میں سفنہ کی سگی ماں نہیں ہیں ہاں وہ سوتیلی ماں ضرور کہی جا سکتی ہیں۔ شاہ صاحب کی شادی بلقیس شاہ کے ساتھ ان کے فادر نے کر دی۔ جب ان دونوں کے بیچ زمین آسمان کا فرق تھا صورت و شکل کا، تعلیم کا، ماحول کا، اگر وہ صبر و برداشت والے مزاج کی مالک ہوتیں، تب بھی شاید نبھ جاتی مگر اتفاق سے ان میں یہ خوبی بھی نہیں تھی۔ ہر آنے والا دن تعلقات کو بد سے بدتر کرتا گیا۔ دونوں کے کوئی اولاد بھی نہیں تھی ورنہ شاید بہتری کی صورت حال پیدا ہو جاتی۔ اپنے والد کی زندگی تک تو شاہ صاحب انہیں کسی نہ کسی طور جھیلتے رہے لیکن ان کے انتقال کے بعد وہ پالم پور سے اور ان سبھی رشتوں سے ہی توڑ کر، لندن بھاگ گئے۔ مگر وہاں بسنے کا خیال بھی آیا، جب انہوں نے ایک مصری جرنلسٹ دوشیزہ سے شادی کرلی۔ فاطمہ بنت عبداللہ بہت ہی نیک، شریف اور باحیا خاتون تھیں۔ وہ دنیا میں بالکل اکیلی تھیں اور شاہ صاحب کی پہلی شادی سے بھی باخبر تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہتے تھے۔

غزل

حضرت ہوشیار میرٹھی

نزع میں سانس کی رفتار سوا ہوتی ہے
یہ ہوا چلتے ہی طوفان فنا ہوتی ہے
چڑھ گیا دار پہ منصور انا الحق کہہ کر
بند کب ساز حقیقت کی صدا ہوتی ہے
یکدلی عالم ایجاد میں ممکن ہی نہیں
شکل و صورت بھی ہر انسان کی جدا ہوتی ہے
مجھ بد اعمال کا اک یہ تو عمل ہے واعظ
توبہ کر لیتا ہوں جب کوئی خطا ہوتی ہے
موت کیوں آئے نہ پھولوں کو بروں سے پہلے
عمر پھولوں سے تو کانٹوں کی سوا ہوتی ہے
شکریہ جور و ستم پر یہ کہا ظالم نے
ہم پہ مرتا ہے وہی جس کی قضا ہوتی ہے
جان قربان کیے دیتا ہوں ان پر ہوشیار
آج ہستی مری تصویر وفا ہوتی ہے

میں نے ان دونوں کی زندگی میں تب قدم رکھا جب سفنہ پیدا ہونے والی تھی۔ اس زمانے میں وہ بہت تنہائی محسوس کرتی تھیں۔ ملازمت شادی کے بعد ہی چھوڑ دی تھی۔ میرا ان کا رشتہ ایک مخلص دوست کا رشتہ تھا یا پھر ایک بہن جیسا رشتہ تھا۔ وہ مجھ سے ہر بات شیئر کرتی تھیں یوں مجھے سارے حالات کی خبر شروع سے ہی تھی۔ پھر سفنہ آئی۔ ہو بہو اپنی ماں کی صورت۔ وہی نزاکت، وہی حسن، وہی ملاحت۔ ان دونوں کی زندگی مزید رنگوں سے بھر گئی۔ جب سفنہ تین سال کی تھی تو احسان شاہ کو کسی طرح یہ شادی والی بات معلوم ہوگئی اور وہاں سیدھے لندن چلے آئے۔ شاہ صاحب ان سے خاصے دبتے تھے۔ ہر دم انہیں خوش کرنے کے لیے آگے پیچھے ہی گھوما کرتے تھے۔ اصل میں وہ کسی کو بھی اپنی ذات سے تکلیف پہنچانا

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.com
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

نہیں چاہتے۔ دوسری شادی بھی وہ ہرگز نہ کرتے اگر بلقیس شاہ ذرا بھی تحمل مزاج کی مالک ہوتیں۔ احسان شاہ کو انہوں نے کاروباری حلقوں میں بھی بحیثیت بھائی کے متعارف کرایا۔ آفس میں تو وہ گھنٹوں بیٹھے رہتے تھے۔ یہ وہی زمانہ تھا جب تمہارے والد قمر رئیس والدہ کا علاج کرانے کے لیے پریشان پھر رہے تھے۔ میں ان سے بھی بخوبی واقف ہوں۔ شاہ صاحب کے بزنس پارٹنر!" وہ سانس لینے کے لیے ذرا سا رکیں۔

سعد نے اپنے جسم میں چیونٹیاں سی رینگتی محسوس کیں۔ یقیناً وہ کوئی خاص بات جانتی تھیں اور اس لمحہ کوئی اہم انکشاف کرنے والی تھیں۔

"سلطان شاہ ہمیشہ تمہارے والد کے خیر خواہ اور بہترین دوست رہے۔ پھر تمہاری والدہ کے انتقال پر تو وہ دیوانوں کی طرح تم دونوں بھائیوں کے لیے فکرمند رہتے تھے۔ تمہارے بڑے بھائی فراس کا تو وہ آئیڈیل کرتے تھے تم شاید ان دنوں خاصے چھوٹے تھے۔"

مس میری کی یادداشت غضب کی تھی انہیں فراس بھائی کا نام بھی یاد تھا۔

"پھر وہ منحوس سانحہ پیش آیا تھا۔ فاطمہ بنت عبداللہ کی کار کا حادثہ! وہ سفنہ کو میرے پاس چھوڑ کر کچھ ضروری خریداری کے لیے مارکیٹ تک گئی تھیں۔ سلطان احمد شاہ اہم میٹنگ اٹینڈ کرنے پندرہ دن کے لیے پیرس گئے ہوئے تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں بزنس کی ساری ذمہ داری احسان شاہ کے کندھوں پر آ گئی تھی۔ فاطمہ میڈم کی کار بڑے سے ٹرک سے ٹکرائی تھی اور وہ موقعہ پر ہی..." مس میری کی آواز ایک دم بھرا گئی۔ شاید وہ واقعی پوری جزیات کے ساتھ انہیں پھر سے یاد آ گیا تھا۔

"شاہ صاحب کو پیرس سے بلایا گیا۔ ان کی حالت پاگلوں جیسی ہو گئی تھی۔ اتنے مضبوط اور طاقت ور آدمی کو میں نے بچوں کی طرح روتے ہوئے دیکھا۔ پھر ان کی حالت دن بدن گرتی گئی ساری دنیا سے ان کا تعلق ٹوٹ سا گیا۔ اپنے بزنس کی طرف تو انہوں نے اس دن کے بعد پلٹ کر دیکھا ہی نہیں۔ احسان شاہ ہی سیاہ و سفید کے مالک تھے نجانے کن کن کاغذات پر ان کے دستخط کرا کے لے جاتے تھے جنہیں وہ بے دلی سے بغیر دیکھے ہی کر دیتے تھے۔ پھر بلقیس شاہ بھی وہاں آ گئیں اور ہم سب لوگ پالم پور آنے کے لیے مجبور کر دیا گیا۔ سفنہ کی والدہ نے بھی لندن ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔ اس کی تدفین شملہ میں ہوئی۔ اور میں وہاں اس کے ساتھ رہی۔ اماں مہینے میں پندرہ دن وہاں آ کر بے بات چیت کسی سے نہ ملنے دینا، اسے کہیں نہ جانے دینا۔ ملازموں کی موجودگی میں اس سے کام کرانا، یہ کہہ کر ہر قسم کے کاموں کی پریکٹس ہونی چاہیے۔ انکا اندر سکھانے کا کم اور اسے سزا دینے کا زیادہ لگتا تھا۔ دوران امتحان وہ اس سے کچن میں کوکنگ کراتیں۔ گھر کی صفائیاں کراتیں۔ ان کی انہیں سب حرکتوں کی وجہ سے سفنہ میں کبھی خود اعتمادی پیدا نہ ہو سکی۔ وہ ہمیشہ ڈری۔ خوفزدہ اور سہمی سہمی سی رہی۔ شاہ صاحب معاملات میں بھی ان کے سامنے بول ہی نہیں پاتے۔ اس کی تعلیم میں بھی انہوں نے ہمیشہ رخنہ ڈالا۔ یہ کہہ کر جب اس کی شادی برہان شاہ سے ہی طے ہے اور زیادہ تعلیم یافتہ لڑکیاں سخت ناپسند کرتا ہے تو وہ آخر کیوں پڑھے جا رہی ہے؟ مجھ سے تو نہیں دیکھا جاتا ہے۔ ساری زندگی ان کی کوشش رہی کہ میں ان کی طرف سے دلبرداشتہ ہو کر واپس لندن چلی جاؤں مگر سفنہ کی وجہ سے میں یہاں رک کے رہنے پر خود کو مجبور پاتی رہی۔ سوچا تھا جب سفنہ کی شادی ہو جائے گی اور وہ اس جنجال سے نکل جائے گی تو میں بھی رخت سفر باندھ لوں گی۔ یہ تک تمہیں دیکھ کر میں جتنا خوش اور مطمئن ہوئی تھی آج اتنی ہی غمگین اور مایوس ہوئی ہوں۔ تمہیں تو انسان کی پہچان بھی نہیں۔ سوچو کہ جو شخص اپنی بیوی کے غم میں جتنا تمہارے والد جیسی کیفیات کا مکین و پیش شکار ہو، وہ بھلا دوسرے کی جائیداد کو کیسے ہڑپ کر سکتا ہے؟ اندازہ کہ یہ کام بھی احسان شاہ کا تھا۔ انہوں نے لندن کر سارے بزنس کی دیکھ بھال تو کیا کی تھی، اس کو اپ کر کے یہاں پالم پور آ گئے تھے۔ آج تک انہوں اس بزنس کا حساب کتاب شاہ صاحب کو نہیں دیا صاحب کی سادگی کا اندازہ اس بات سے لگاؤ کہ نے آج تک اس بارے میں ان سے کچھ معلوم کیا

انہیں دنوں احسان شاہ کی کار لینڈ سلائڈ کا شکار ہوئی تھی۔ پہاڑی ٹوٹ کر گری تھی ان کی کار پر۔ بہت بری طرح زخمی ہوئے تھے وہ ٹانگ کاٹ دینی پڑی تھی تب جا کر جان بچی تھی۔ مگر کچھ لوگ قدرت کی طرف سے دی گئی سزاؤں کے بعد بھی سبق نہیں سیکھتے۔ دیکھ لو، ان کی شر پسند عادت ابھی بھی قائم ہے۔"

وہ بولتے بولتے جیسے تھک سی گئیں۔ سعد کو لگا جیسے پوری کائنات ان کے ساتھ تھک کر خاموش ہو گئی ہو۔ وہ خود بھی اپنے آپ کو بے حد شکستہ، کمزور سا محسوس کر رہا تھا۔ اس پہلو پر تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ وہ شخص جس نے اس کے پاپا کو موت سے ہمکنار ہونے پر مجبور کر دیا تھا وہ سلطان احمد شاہ نہ ہو کر احسان شاہ بھی ہو سکتا ہے۔ بچپن میں جب سعد نے اسے دیکھا تھا تو وہ لمبا چوڑا صحت مند شخص تھا۔ اب معذور ہونے کے بعد اور مختلف بیماریوں کا شکار ہو کر کمزور اور ناتواں ہو گیا تھا۔ شاید وہ اسی لیے اسے پہچان نہ سکا تھا۔ ویسے بھی بچپن میں دیکھے چہرے یادداشت کی سطح پر زیادہ محفوظ نہیں رہتے، وہ تو انکل شاہ کو بھی نہ پہچان سکا تھا۔ ہر بات آئینے کی طرح صاف شفاف تھی۔ اب وہ کیا کرے؟ انکل شاہ تو کسی بات سے واقف ہی نہیں تھے مگر سفنہ، وہ تو بڑی شدت سے ناراض ہو کر، بلکہ اسے تقریباً زندگی بھر کے لیے چھوڑ گئی تھی۔ اب وہ اسے کیسے منائے؟

"کیا آپ نے یہ بھی باتیں سفنہ کو بھی بتا دیں؟" اچانک ہی خیال آیا تھا۔

"نہیں۔ ابھی تو میں صرف اس کی سن کر آ رہی ہوں۔ ڈر تھا کہ کہیں تم ایئرپورٹ جانے کے لیے نکل ہی نہ جاؤ۔"

"سنو سعد! سفنہ کی کنڈیشن بہت خراب ہے۔ بالکل ٹھنڈی برف بنی، اسٹیچو کی طرح بیٹھی ہے۔ ہمیشہ رو رہی تھی مگر اب رو بھی نہیں رہی۔ میں اس کی طرف سے بہت فکرمند ہوں۔ بس اسے میں نے پیدا نہیں کیا ہے مگر وہ میری بیٹی جیسی۔"

"اوکے! پھر میں چلتا ہوں۔" وہ متوحش سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "آپ ایک فیور کریں گی میرے ساتھ۔ ابھی آپ سفنہ کو یہ سب باتیں نہ بتائیں۔ اس سے کہہ دیں کہ آپ کی مجھ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ اور ہم دونوں کے درمیان کوئی گفتگو ہی نہیں ہو پائی۔ پلیز۔"

"اوکے! مائی بن تم جو چاہے مجھ سے کہلوا لو۔ مگر سفنہ اب مجھے بس ہنستی مسکراتی نظر آئے۔" وہ اس کی پیشانی چوم کر بولیں۔ "اور ایک بات اچھی طرح سے یاد رکھو کہ اعتبار کے آنگن میں خزاں کا پھیرا نہیں لگنا چاہیے۔ ورنہ مسرتوں کے پھول کھلنے دشوار ہو جاتے ہیں۔" وہ انہیں عقیدت سے دیکھتا بریف کیس سے کچھ کاغذات نکال رہا تھا۔

کوٹھی کے بڑے سے ڈرائنگ روم میں اسے بٹھا کر ملازمہ سفنہ کو بلانے گئی تھیں۔ وہ بڑا مطمئن، شاداں سا بیٹھا تھا۔ امید تھی کہ وہ اس کی ایک آواز پر لبیک کہتی چلی آئے گی۔ مگر اس کا جواب قطعی غیر متوقع تھا۔

"وہ مصروف ہیں۔ آپ بڑے صاحب کا انتظار کر لیں۔ بس وہ آنے ہی والے ہیں۔"

"یعنی ناراضگی بہت شدید ہے۔ صورت بھی دیکھنے کی روادار نہیں۔" وہ بڑے دلنشین انداز میں مسکرایا تھا، اس نے نفرت کے راستے پر لمبا سفر کیا تھا۔ سارے وجود

غزل

شاداب اعظمی، نیاگرج

آج کل میری طرف تو دیکھتا کوئی نہیں
حال میرا کیا ہے مجھ سے پوچھتا کوئی نہیں
شور و غل میں بات جب قربانیوں کی آ گئی
سب کے سب خاموش ہیں اب بولتا کوئی نہیں
جس کی خاطر خوں بہا عبدالحمید، عثمان کا
اس وطن کی عظمتوں کو سوچتا کوئی نہیں
آج کا انسان صوفی، سنت بنتا ہے مگر
فائدہ جب دیکھتا ہے چوکتا کوئی نہیں
ہاں میاں شاداب آخر دور کیسا آ گیا
توڑتے ہیں سب دلوں کو جوڑتا کوئی نہیں

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.com
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

پھول

☆ وفا کرنی ہو تو پھولوں سے سیکھ جو شاخ سے جدا ہو کر مرجھا جاتے ہیں۔

☆ خوش خلقی ایک پھول ہے جس کی خوشبو سے سب لوگ کھنچے چلے آتے ہیں۔

☆ پھولوں کا گلدستہ تیرے کس کام کا؟ میری گلستان سے ایک ورق لے لے پھول تو پانچ سات روز رہے گا اور گلستان ہمیشہ سرسبز و تازہ رہے گا۔

☆ دھول خود توہین برداشت کر لیتی ہے اور بدلے میں پھولوں کا تحفہ دیتی ہے۔

☆ خدا بڑی بڑی سلطنتوں سے خفا ہو سکتا ہے لیکن چھوٹے پھولوں سے کبھی ناراض نہیں ہوتا۔

☆ سورج خود بخود پھول کھلا دیتا ہے۔ چند رما آپ ہی چاندنی کو پھیلا دیتا ہے۔ بادل بن مانگے ہی پانی برسا دیتا ہے اسی طرح نیک انسان بغیر کہے ہی خود بخود دوسروں کی بھلائی کے کام کرتا ہے۔

☆ صورت بغیر سیرت کے ایسا پھول ہے جس میں کانٹے زیادہ ہوں اور خوشبو بالکل نہ ہو۔

(تحسین اینڈ ثمر، کانپور)

تھا۔

"انکل! میں اس وقت آپ کی کوٹھی میں ہی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اب شادی والی خبر چھپانی بے سود ہی ہے۔ میں اپنا سامان اب یہیں منگا لیتا ہوں۔"

"آف کورس! بلکہ مس میری سے کہو کہ وہ بھی یہیں آجائیں۔ گیسٹ ہاؤس کو لاک کر دیا جائے۔ تم ذرا کے نگراں جمیل صاحب سے کہو کہ مجھ سے بات کرلیں میں انہیں ساری ہدایات دے دیتا ہوں۔ اور ہاں بڑی ایک خوشخبری ہے میں نے احسان شاہ اور برہان شاہ مقدمہ دائر کرتے ہوئے ان کے سارے اثاثے بینکوں میں کلوز کرا دیا ہے۔ اب جب تک وہ مقدمہ جیت نہ جائیں، اس میں سے ایک پیسہ بھی نکال نہیں سکتے۔ یقین جانو، پہلی بار مجھے ان دونوں پر شدت سے غصہ آیا ہے۔ نجانے کس لیے میرے دشمن بنے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ میں نے آج تک ان کا برا نہیں چاہا تو میں نے زندگی بھر ایک اصول اپنایا کہ انسان نیک اور صالح عمل کرتا رہے۔ اپنی طرف سے کسی کو تکلیف نہ دے۔ اللہ تعالیٰ خود بخود اس کی زندگی سے سارے کانٹے نکال کر دور پھینک دیتا ہے۔"

"تم ابھی دلی کے لیے چل نہ دینا۔ میں نے سوچا کہ فراس اور اسی کو یہیں کھانے کے لیے بلا لیتے ہیں۔ کچھ دوست احباب کو بھی مدعو کر لیتے ہیں اور تم بڑے جشن کی تیاری کرتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟" وہ بے حد خوش اور قدرے جوش میں تھے۔

"مناسب ہے انکل!" اس نے اپنی پیشانی عرق عرق ہوتی محسوس کی۔ اگر اس شریف آدمی کو مسعد کے تھوڑی دیر پہلے والے خیالات سے آگاہی ہو جائے تو اس کے دل کی کیا حالت ہو؟

پھر جب تک مس میری اس کے سامان سمیت وہاں پہنچتیں، وہ جمیل صاحب سے سفنہ کا بیڈروم معلوم کر کے اس کے کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ جائے نماز بچھائے حالت سجدے میں تھی۔ کافی دیر نوافل پڑھنے اور دعائیں مانگنے کے بعد وہ پژمردگی اور افسردگی کی کیفیت میں مصلے سے اٹھ آئی۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ کس طرح کا درد اس کے وجود میں پنجے گاڑ کر بیٹھ گیا ہے۔ ویران

میں کانٹے سے اگ آئے تھے۔ خود بھی لہولہان ہوا تھا اور اپنی ذات سے متعلق لوگوں کو بھی زخمی کیا تھا۔ ظاہر ہے اب ردعمل کے طور پر سفنہ کا رد عمل ایسا ہونا ہی تھا۔

اس نے موبائل پر سلطان احمد شاہ سے رابطہ کیا

بنجری آنکھیں اٹھا کر اس نے مسعد کو دیکھا اور پھر اچانک غصے کی سرخی اس کے چہرے پر چھانے لگی۔

"تم یہاں کیوں آئے؟ کہہ دیا تھا نہ میں نے کہ مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ تیزی سے آگے بڑھی تھی۔

"ہاں سن لیا میں نے۔ تم مت کرو بات، مگر مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔" وہ کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر چکا تھا۔ "ہاں تو کیا دعا مانگ رہی تھی اللہ تعالیٰ سے۔ کیا مجھے؟"

"بکواس مت کرو۔" وہ بپھر گئی۔ "جاؤ! چلے جاؤ یہاں سے۔ اب تک دلی کیوں نہیں گئے؟ یا جاتے جاتے آخری بار میرا تماشہ دیکھنے آئے ہو؟"

"اتنا غصہ بنتی! میں یقین نہیں کر سکتا تھا اگر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیتا کہ تمہیں اتنا غصہ بھی آتا ہے۔" وہ چھلانگ لگا کر اس کے بستر پر دراز ہو گیا۔

"تم چلے جاؤ، میرے سامنے سے۔ جھوٹے، دغا باز، شادی سے پہلے کہتے تھے کہ کبھی میری آنکھوں میں آنسو نہیں آئیں گے۔ ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہوں گی۔ جب سے تمہاری زندگی میں شامل ہوئی ہوں، بس روئے جا رہی ہوں۔ یہی تھی تمہاری محبت۔ مگر ہاں، محبت ایسے ہوگی، میں تو دشمن کی بیٹی ہوں۔ مجھ سے تو بدلے لیے جا رہے ہیں اور میں پاگل اسے بھی محبت کا انداز سمجھ رہی تھی۔ مگر اب سب ختم ہو گیا ہے۔ چلے جاؤ میری آنکھوں کے سامنے سے۔" وہ اسے جھنجھوڑ گئی۔

"محبت تو میں نے کی تھی تم سے۔ جہاں تم قدم رکھتے تھے، میں وہاں دل نکال کر رکھ دیتی تھی۔ تم نے تو میرا تماشہ بنایا۔" وہ اسے دونوں ہاتھ سے دھکا دے کر بستر سے اتر جانے پر مجبور کر رہی تھی مگر جب اسے اپنا ہاتھ بھی ہلانے میں ناکام ہو گئی تو چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا۔ وہ تھوڑی دیر لیٹا اسے روتا دیکھتا رہا۔ پھر سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

"اچھا سب سے زیادہ غصہ اسی بات پر آ رہا ہے نا کہ تم نے زندگی میں مجھ سے صرف ایک خواہش کی اور وہ میں نے نہیں مانی۔ وہی تمام پرانی باتوں کو بھول جانے والی بات۔ دیکھو تمہاری وہی بات مان کر تو میں یہاں تک آ گیا ہوں۔ تم سے دو منٹ الگ رہا تو مجھے

غزل

رافع نظام خان، سرحد، جونپور

میرا انکا رابطہ جب منقطع ہو جائے گا
یہ جہاں بے کیف جینا مسئلہ ہو جائے گا
ظلم کو سہہ کر تیرے چپ رہنے میں ہے مصلحت
آہ کرنے سے یہاں محشر بپا ہو جائے گا
وقت ہے اس کا مداوا تم ابھی سے ڈھونڈ لو
درد بڑھ کر ایک دن یہ لا دوا ہو جائے گا
چھوڑ دو بیجا تکبر عقل سے کچھ کام لو
زندگی کی ساز اک دن بے صدا ہو جائے گا
گردش دوراں تمہیں دکھلائے گی یہ وقت بھی
وہ وفا خو خو گر جورو جفا ہو جائے گا
رب کا گھر ڈھا دینے والوں کی کرے تعظیم جو
بے گماں اس دور کا وہ ابرہہ ہو جائے گا
آپ کے آنے سے آجائے گی رونق لوٹ کر
کہہ رہا ہوں سچ میرا گھر گل کدہ ہو جائے گا
کچھ تو رک جاؤ کہ آجائے میرے دل کو قرار
تیرے جانے سے میرا غم پھر سوا ہو جائے گا
اس طرح لکھتے رہے رافع اگر رنگیں غزل
اک زمانہ آپ کے اوپر فدا ہو جائے گا

تمہاری محبت کی شدت کا اندازہ ہوا۔ میں تم سے دور رہ ہی نہیں سکتا۔ دیکھو میں وہ جائیداد والے کاغذات بھی لیتا آیا ہوں۔ تم اچھی طرح دیکھ لو، پھر میں تمہارے سامنے ہی پھاڑ دوں گا۔"

"اور ہاں، تمہیں دشمن کی بیٹی سمجھ کر میں نے بدلہ لینے کی کوشش ضرور کی مگر تم خود گواہ ہو کہ میں کامیاب کبھی نہ ہو پایا۔ جہاں تم نے اپنا رنگین آنچل لہرایا، وہیں میں نے اپنا آپ لٹا دیا۔ ہاں تم سے خواہ مخواہ کی جھوٹی لڑائیاں

READING POINT
http://readingpointpk.blogspot.be
Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

میری مسکان

خالد گلبر گوی

ننھی منی تو ہے بنی، میٹھی میٹھی تیری زبان
جس سے پڑ جاتی ہے گویا گھر کے اندر سب میں جان
تیری وجہ سے گھر میں رونق جینے کے پورے آثار
چہل پہل قائم ہے گھر میں تیرے وجود سے سب سرشار
تیرا گھر ہے سب سے انوکھا کہلائے جو دار الامان
کیوں نہ ہوں خوش دیکھ کے تجھ کو تیرا نام ہے مسکان
تیرا پاؤں پاؤں چلنا، ہاتھ کو چھوڑ دیوار کو پکڑنا
گرنا، اٹھنا، رکنا، چلنا گود میں لینے تیرا مچلنا
سب ادائیں تیری پیاری، چلتی پھرتی گڑیا جیسی
آنکھ کی ٹھنڈک دلوں کی چاہت گھر بھر کا سامان خوشی
آ مسکان ہم باہم کھیلیں، توڑیں پھوڑیں خوب ہنسیں
لے کے ہاتھ میں کوئی کتاب پڑھنے مکتب کو بھی چلیں
خالد کے دل کی ہے دعا میری مسکان روٹھ نہ جائے
پڑھ لکھ کر میری مسکان بڑی سی اک ڈاکٹر بن جائے

اپنے دل کو بہلانے کے لیے ضرور لیں میں نے۔"

"اب پلیز! تم غصہ تھوک دو۔ میں ایک بار، دو بار نہیں، ہنڈرڈ بار معافی مانگنے کو تیار ہوں۔ اب تم جیسا کہو گی بس میں ویسا ہی کروں گا۔ نو لڑائی، نو غصہ۔ کچھ بھی نہیں یار! بس ایک بار تم پہلے جیسی شرمگیں سی مسکراہٹ اپنے چہرے پر لے آؤ۔ اور کہہ دو کہ جاؤ تم بھی کیا یاد کرو گے، میں نے معاف کیا۔" وہ نجانے کتنی ہی دیر اس کے سامنے گھگھیاتا رہا۔

"یہ بھکاریوں کی سی صورت بنا کر گڑگڑائے جاؤ گے تو معاف تو کرنا ہی پڑے گا۔" وہ آخر کار جھلملاتی آنکھوں کے ساتھ ہنس پڑی تھی۔

"واؤ!" وہ اچھل کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"تم حقیقت میں بہت اچھی ہو سفنہ! میں ہی نہایت بکواس قسم کا انسان ہوں۔ مگر اب پکا وعدہ کر لیا ہے نا۔ ذرا بھی دل دکھاؤ تو کس کر لگانا ایک تھپڑ۔ وہ اس کے آنسو پونچھتا ہوا بولا۔

"سچ مچ لگا دوں گی۔" وہ پھر ہنس دی تھی۔

تبھی دروازہ کھٹکھٹایا جانے لگا تھا۔ "سوری! میں تم دونوں کو ڈسٹرب کر رہی ہوں۔ شاہ صاحب تم دونوں کو بلا رہے ہیں۔ جشن کے سلسلے میں کچھ پروگرام طے کریں گے۔" سفنہ کو ہنستا ہوا دیکھ کر مس میری کے چہرے پر یکدم طمانیت دوڑ گئی تھی۔

"سفنہ! مائی سوئیٹ ہارٹ! جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ لونگ ڈرائیو رنگ کا پروگرام بناتے ہیں۔ پورا پاکم پور گھوم ڈالیں گے۔ وہی بلیو والی ساڑی باندھ لو جو شادی سے پہلے ریسٹورینٹ میں پہن کر آئی تھیں۔ ویسا ہی جوڑا۔ سب وہی۔ میں اتنے میں شاہ انکل کے ساتھ آئندہ کا پروگرام ڈس کس کرتا ہوں۔ فراس بھائی اور بھابی کو بھی فون کر کے یہیں بلا لیتے ہیں۔"

"منظور! مگر جوڑے میں لگانے کے لیے پھول آپ توڑ کر رکھیے۔" وہ ہنسی کے جلترنگ بجاتی الماری کی طرف بڑھ گئی۔ آج کانٹوں کا مزاج رکھنے والا یہ شخص، بالآخر اس کے لیے گلاب کے پھولوں کی طرح مہک اٹھا تھا۔

ادھر وہ شاداں و فرحاں انکل شاہ کے کمرے میں جاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ شکر ہے کہ بات بن گئی۔ سفنہ یہی سوچ سوچ کر خوش ہوتی رہے گی کہ میں نے اس کی محبت میں اس کے ڈیڈی کو معاف کر دیا اور جائیداد سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی۔ کچھ دن گزرنے پر میں دھیرے دھیرے نرمی سے یہ بات اس کو بتاؤں گا کہ اصل دشمن احسان شاہ اور برہان شاہ ہے جس سے بدلہ لینے کی راہیں اللہ تعالیٰ نے خود ہی فراہم کر دی تھیں۔ اور وہ یقیناً اتنی فراخ دل ہے کہ اس بات کو چھپانے پر بھی اسے معاف کر دے گی۔ ہاں، انکل شاہ کو وہ یہ حقیقت ابھی بتا دے گا کہ وہ ان کے دوست قمر رئیس کا بیٹا ہے یقیناً وہ اس سے اور بھی قربت محسوس کریں گے۔

لان سے گزرتے ہوئے اس کی نظر بے شمار رنگ برنگے پھولوں پر گئی تو سفنہ کی فرمائش یاد آئی اس نے مختلف پھول توڑے تھے اور سفنہ کے بالوں میں لگانے کے لیے سرشار انکل شاہ کے کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.